حیرت زار

انتخاب کلام

ابوالمعانی مرزا عبدالقادر بیدل

مرتبہ

پروفیسر سید شاہ محمد عطاء الرحمٰن عطا کاکوی

ناشر

ایوانِ اردو پٹنہ ۴

بار اول ۱۹۵۶ء

قیمت :- ایک روپیہ بارہ آنے

Scanned with CamScanner

مطبوعہ برقی آرٹ پریس ۔ سبزی باغ ۔ پٹنہ ۔ ۴

Scanned with CamScanner

فہرست

شمار	عنوان	صفحہ
۱	بیدل کے متعلق نیاز کے تاثرات	۱
۲	مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے	۴۳
۳	اقبال اور بیدل	۵۸
	حصّہ نظم	
۱	انتخاب	۱
۲	رباعیات	۳۲
۳	فردیات	۵۴
۴	قطعات	۵۷
۵	خودشناسی	۵۹
۶	یادِ یاراں	۶۰
۷	شانِ فقر	۶۰
۸	ماتمِ پدر	۶۱

Scanned with CamScanner

شمار	عنوان	صفحہ
۹	تہنیت ارسال گودڑی بہ شکر اللہ خاں	۶۲
۱۰	در صفت خرد	۶۳
۱۱	محرومی	//
۱۲	تحیر نار	۶۴
۱۳	زبان بیدلے	۶۵
۱۴	حدیث خموشی	۶۶
۱۵	کش مکش	۶۷
۱۶	از ماست کہ بر ماست	۶۹
۱۷	قدر و قیمت شکست	۷۰
۱۸	تامل و تفکر	۷۱
۱۹	مقام اولیا	//
۲۰	چہ می پرسی	۷۲
۲۱	جذبہ نو	۷۳
۲۲	مردان کامل	//
۲۳	مدعائے نیرنگی	۷۴
۲۴	حیرت و بے خودی	۷۵
۲۵	دیار متحیرا	۷۶
۲۶	انجام کار	۷۷

Scanned with CamScanner

شمار	عنوان	صفحہ
۲۷	سبک روحی	۷۸
۲۸	سراب نظر	//
۲۹	بے بصری	۷۹
۳۰	خود ناشناسی	۸۰
۳۱	خواب و بیداری	۸۱
۳۲	فہم راز	//
۳۳	جوہر ذاتی	۸۲
۳۴	طالب صلہ	۸۳
۳۵	بہ قصیدہ گویان سلاطین	۸۴
۳۶	ذوق و شوق	۸۵
۳۷	اثر صحبت	//
۳۸	نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن	۸۶
۳۹	عرفان خویش	//
۴۰	مذمت نفاق	۸۷
۴۱	حیرت نظارہ	۸۸
۴۲	کرشمہ نگاہ ناز	//
۴۳	طوفان بہار	۸۹

Scanned with CamScanner

پیش لفظ

بیدل آں شعلہ کزو بزم چراغاں گرم است
یک حقیقت بہ ہزار آئینہ تاباں شدہ است

بیدل کی شاعری کا پس منظر اس کا یہی شعر ہے۔ اسی آئینہ خانہ میں بیدل حیرت زدہ کھڑا ہے۔ اس کے کلام کا مطالعہ کیجئے، معلوم ہوتا ہے ایک نہ بجھنے والی پیاس ہے، ایک نہ ختم ہونے والی تمنّا ہے، ایک منزل ناآشنا تجسّس ہے جو سارے کلام میں جاری وساری ہے۔ وہ اپنی ہستی کو ذات مطلق میں گم کرنا نہیں چاہتا۔ اس کا مسلک تو یہ ہے کہ "تو در آغوشی و من کشتۂ از دور دیدنہا" اس کو آسودگی پسند نہیں۔ ایک اضطراب مسلسل ایک جد وجہد کا جذبہ ہے جو ہر جگہ کارفرما ہے۔ بہشت کی راحت جاوید اس کو کہاں پسند؟ ؎

Scanned with CamScanner

گویند بہشت است ہمہ راحت جاوید
جائیکہ بہ داغت نہ طپد دل چہ مقام است

ہنگام وصل میں بھی وہ زحمتِ انتظار کا شیدائی ہے ؎

محو یاریم و آرزو باقیست ✤ وصل ما انتظار را ماند

اسکے سارے کلام میں ایک جوش و خروش ہے ایک ولولہ ہے ایک تڑپ ہے۔

؎ ہر غبارے کہ دریں عرصۂ طوفاں برخاست
ہمہ از شوخیٔ و بے باکیٔ جولاں برخاست

اس کی نگاہ مطالعہ فطرت کے لئے وا ہے، ہر ذرہ اپنی زبان خموش سے سخن طراز ہے۔ ع

از زمیں تا بہ آسماں سخن است

اس کے سمجھنے کے لئے چشم بصیرت درکار ہے۔ ع

چشم وا کردن زمیں تا آسماں فہمیدن است

بیدل کو سکون پسند نہیں۔ کائنات کی ہر چیز متحرک ہے۔ سفر میں ہے یہاں تک کہ

ہر کجا نکہت گل پیرہن رنگ درید
نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے می خواہد

اس کا مسلک ہی یہی ہے کہ ع

Scanned with CamScanner

عمر آسودگیٔ ما بہ سفر می گذرد

غالب نے بھی یہیں سے یہ درس لیا کہ ع

زہے روانیٔ عمرے کہ در سفر گذرد

اقبال نے بھی یہیں سے یہ سبق پڑھا ع

ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

عظمت انسانی اقبال کی شاعری کا محور ہے مگر اس کا سرچشمہ بیدل ہی کا کلام ہے۔ ؎

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی

اے بہار نیستی از قدر خود آگاہ باش

بے خودی میں بھی وہ اپنے خودی کو برقرار رکھنا چاہتا ہے۔ ع

بہ دریا ہمچو گوہر خلوتے در انجمن دارم

خودداری اور شان استغنا کی مثال غالب کے یہاں بھی ملتی ہے۔ ع

اُلٹے پھر آئے در کعبہ اگر وا نہ ہوا

اور اقبال کے یہاں ؎

گدائے میکدہ کی شان بے نیازی دیکھ

پہونچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

Scanned with CamScanner

مگر بیدل کس غضب کے انداز میں کہہ گیا ہے ؎

درہائے فردوس وا بود امروز
از بے دماغی گفتیم — "فردا"

مختصر یہ کہ بیدل کے کلام میں جو جذبہ کارفرما ہے وہ اس کے دلی جذبات و مشاہدات کا پرتو ہے۔ اس کی شاعری تمام تر جذباتی ہے، محض تخیلی نہیں اسی لئے اس میں بڑی کیفیت ہے۔ غالب نے بھی اس کا رنگ اختیار کرنا چاہا مگر چونکہ وہ اس جذبہ سے محروم تھا اسی لئے بیدل کے نقش قدم پر چلنا اس کے لئے قیامت ہوگیا۔ وہ آگ جو بیدل کے دل میں لگی ہوئی تھی، وہ سوز جس سے اس کا دل و جگر برشتہ تھا وہ غالب کے یہاں کہاں ؟—

اقبال پر بیدل کا پرتو بڑی حد تک پڑا ہے۔ مجھے حیرت تو اس بات پر ہے کہ شبلی کے جیسا ناقد اور فارسی کا شاعر بیدل کے کلام کی عظمت سے آگاہ نہ ہوسکا۔ عام تذکرہ نویس بیدل کی عظمت کے قائل تو نظر آتے ہیں مگر اس کی روحِ شاعری تک اب تک بہت کم لوگوں کی رسائی ہوئی ہے۔ میں نے اس انتخاب میں اس بات کی کوشش کی ہے کہ مختصر پیمانہ پر قارئین بیدل کے کلام سے آشنا ہوجائیں اور ایک اجمالی خاکہ

Scanned with CamScanner

ان کی نگاہوں کے سامنے پیش ہو جائے۔ ورنہ بیدل کا کلام تو ایک بحر ناپیدا کنار ہے اس کی شناوری آسان نہیں۔ بیدل کے حالات اور ان کے کلام پر تنقیدی جائزہ کے لئے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ حضرت سلیمان ندوی رح، جناب نیاز فتحپوری اور ڈاکٹر ابواللیث صدیقی کے مضامین جو بیدل سے وابستہ تھے ان کو شامل کر کے اپنے اس مختصر مجموعہ کو وقیع اور دلچسپ بناؤں۔ اب بیدل ہی کے ایک شعر پر اپنا پیش لفظ ختم کر کے قارئین کو کلام بیدل کے مینا خانہ کی سیر کی دعوت دیتا ہوں ؎

نزاکتہا ست در آغوش مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

مظفر پور
یکم جنوری ۱۹۵۶ء

عطا کاکوی

Scanned with CamScanner

بیدل کے متعلق نیاز کے تاثرات

ایک دوست نے بیدل کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ نیاز صاحب بھرے بیٹھے تھے یوں اُبل پڑے :—

بیدل! ہائے بیدل!! وائے بیدل!!! آپ نے بھی کیا ذکر چھیڑ دیا۔ اس "کم بخت" میں فارسیت ہو یا نہ ہو، لطفِ زبان پایا جائے یا نہ پایا جائے، لیکن اس کا کیا علاج کہ تخئیل کا بادشاہ ہے، ندرت بیان کا خدا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ ایک رند ژولیدہ مو ہے، جو لفظ اس کے مُنہ سے نکلتا ہے وہ دل میں تیر و سناں کی طرح پیوست ہو جاتا ہے۔ ؎

ہر کجا نکہتِ گل پیرہنِ رنگ درد
نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے می خواہد

پھول کو "پیرہن رنگ" کہنا اور نکہت کو گل کی "جامہ دری" حسن تعبیر کی وہ حد ہے جہاں نہ نظیری کی رسائی ہے نہ حافظ کی۔ اور "از خود سفرے می خواہد" تو وہ انداز بیان ہے جسے بہت سے ناواقف صرف مغربی لٹریچر کی خصوصیت سمجھے ہوئے ہیں۔ نکات اور چہار عنصر پر کیا موقوف ہے اس کا تو ایک ایک لفظ

Scanned with CamScanner

حرزِ جاں بنانے کے لائق ہے۔ مثنویاں دیکھئے، رقعات کا مطالعہ کیجئے، قطعات و رباعیات پر سر دُھنئے۔ لیکن زبان دکھولئے، کون سمجھتا ہے اور کسے سمجھنے کا ہوش ہے، وہ خود کہہ گیا ہے ؎

چہ رسد ز نشۂ معنوی بہ دماغ بے حس و بے خبر
ز پری پیامے اگر کشی بہ دکانِ شیشہ گراں مبر

اصغر کی صوفیانہ شاعری پر تبصرہ کرتے کرتے نیاز صاحب ایک بار پھر بیدل پر اُتر آتے ہیں اور یوں رقم طراز ہیں :۔

تصوف یا تصوف کی شاعری میں جن چیزوں کو اسرار و معارف، علم و عرفان وغیرہ بہت سے مہمل ناموں سے یاد کیا جاتا ہے، وہ صرف دو نظریوں میں محدود ہیں۔ ایک یہ کہ خدا ہر جگہ اور ہر چیز میں ساری و طاری ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کی کہنہ حقیقت دریافت کرنے سے انسان عاجز ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نظریے "علم قطعی" سے تو تعلق رکھ نہیں سکتے۔ کیونکہ ان دو نظریوں میں سے ایک میں جہل و عجز کا اعتراف ہے۔ اور دوسرا جسے نظر "ہویت" یا "وحدۃ الوجود" کہتے ہیں ایک ایسی تعبیر ہے جسے ایک خیال پرست شخص تو مان سکتا ہے لیکن علم کو درجۂ یقین تک پہونچانے والوں کے لئے

Scanned with CamScanner

اس میں زیادہ سامان دل چسپی موجود نہیں - پھر جب تصوف کی بنیاد ہی ایسے مجہول نظریوں پر قائم ہے تو اس میں اسرار و غوامض یا علوم و معارف کیا ہو سکتے ہیں۔ اور پھر ایک شاعر ان کے اظہار میں وہ کون سی بات پیدا کر سکتا ہے جو جوش و ولولہ کی حامل ہو۔

- اس نوع کے شاعروں میں سب سے بلند مرتبہ بیدل کا ہے - اور اس میں کلام نہیں کہ اس نے اپنی ساری زندگی اسی عالمِ حیرت و استعجاب میں بسر کر دی جو فلسفۂ "ہویت" نے اس پر طاری کر دیا تھا لیکن کیا اس کی قدر غزل گوئی کے لحاظ سے کی جاتی ہے ؟ کیا وہ اپنے رنگ تغزل کی وجہ سے کامیاب شاعر کہا جاتا ہے ؟ ہرگز نہیں - اس کی کامیابی کا راز صرف اس کا اندازِ بیان، تنوعِ تعبیرات اور علوئے تخئیل ہے، جو انسان کی قوت متخیلہ کو مسحور کر کے رکھ دیتا ہے - لیکن کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ علاوہ بیدل کے اس وقت تک کوئی دوسرا شاعر اس رنگ کا پیدا ہوا ہے ؟ اس نے غزل گوئی ترک کر کے جس شاعری کی بنیاد ڈالی اس کے لئے اس نے ایک زبان بھی علٰحدہ وضع کر دی - اور یہ خصوصیت تھی جس نے اس کو ایک مخترع اور مبدع کی حیثیت سے دنیا میں پیش کیا اور اس اختراع اور ابداع کو وہ اپنے ساتھ ہی لے گیا - دوسرا راز بیدل کی کامیابی کا یہ تھا کہ وہ فارسی

Scanned with CamScanner

زبان میں شاعری کرتا تھا جو اُردو کے مقابلہ میں زیادہ وسیع، زیادہ لطیف وشیریں اور زیادہ ایجاز کی گنجائش رکھتی ہے۔ اس لئے اردو میں اگر اس کا تتبع کیا بھی جائے تو کامیابی ممکن نہیں[1]۔ کیونکہ اول تو بلند سے بلند خیال کوئی ایسا نہیں جو بیدل کی دسترس سے باہر رہا ہو۔ اور دوسرے یہ کہ اُردو میں الفاظ کی کمی اور حروف وروابط کی زیادتی نے اس کو محال بنا دیا ہے۔

نیاز صاحب کے کوئی دوست اُردو زبان میں ندرت و شوخی کے دلدادہ تھے، انہوں نے ان سے اس کے متعلق کچھ پوچھا۔ ان کا جواب وہ ان الفاظ میں دیتے ہیں :-

اس میں کلام نہیں کہ بغیر فارسی لٹریچر کا مطالعہ کئے ہوئے اردو لکھنا پڑھنا نہیں آ سکتا۔ میں دبی زبان سے اس میں عربی کا بھی اضافہ کروں گا، کیونکہ فارسی ادب کے محاسن کو سمجھنا بہت کچھ موقوف ہے عربی جاننے پر۔

---

[1] غالب کو بھی اعتراف ہے کہ ؎

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خاں قیامت ہے "عطا"

Scanned with CamScanner

جس ندرت و شوخی پر آپ جان دیتے ہیں وہ سوائے غالب کے کہیں نہ ملے گی اور پھر اسی کے ساتھ فارسیت کا وہ عالم کہ ہر صفحہ "ایران زار" نظر آتا ہے۔ نزاکت خیال اس میں شک نہیں بیدل کا حصہ ہے، لیکن اس میں یہ لطفِ زبان کہاں؟

جب تک آپ جوان ہیں "خراباتِ غالب" نہ چھوڑیئے، انحطاطِ عمر میں البتہ "مصحف بیدل" سے بہتر کوئی چیز نہیں۔

میری نہ کہئے۔ یہاں ہر بات الٹی ہے۔ جب جوان تھا تو بیدل پر جان دیتا تھا، اب زمانۂ انحطاط میں غالب پر سر دھنتا ہوں۔ اس سے یہ نتیجہ نہ نکالئے کہ مجھ پر بڑھاپے میں دوبارہ جوانی آئی ہے، بلکہ یہ کہ میں جوانی میں بھی بوڑھا تھا۔

ایک دوسری جگہ بیدل کے تصوف کا خاکہ وہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :-

یقیناً میں بیدل کا شیدا ہوں اور اس لئے مجھے "بیگانۂ لذتِ تصوف" کہنا درست نہیں، لیکن وہ چیز تصوف میں ہے کہاں جو آپ مجھ سے تسلیم کرانا چاہتے ہیں وہاں تو خدا ہی انا ہے اور انا ساری کائنات پر محیط۔

Scanned with CamScanner

تصوف کی دنیا حشر و نشر، فردوس و جہنم سے بہت بلند واقع ہوئی ہے اور وہاں کفر و اسلام دونوں ہم آغوش نظر آتے ہیں۔ کبھی آپ نے اس کے اس شعر پر بھی غور کیا ہے ؟

درہائے فردوس وا بود امروز
از بے دماغی گفتیم۔ فردا

اس سے زیادہ صریح انکار حشر و نشر یا دوسرے عالم کا اور کیا ہو سکتا ہے۔ یعنی جس چیز کو فردوس بتاتے ہیں اس کے دروازے تو ہم پر آج ہی اسی دنیا میں کھلے ہوئے تھے، لیکن یہ ہماری بے دماغی تھی کہ ہم نے اسے فردا پر ٹال دیا۔

رہ گیا طاعت و بندگی کا سوال۔ سو اس باب میں بیدل کا فیصلہ یہ ہے:۔

مشرب پروانہ از آتش نہ داند طور را

اصل مقصود تو محبت میں تڑپتے رہنا ہے اور محبت یہ نہیں دیکھتی کہ تڑپانے والا کون ہے ؟

ہر جا کنیم سجدہ بداں آستاں رسد

اب آپ کیا فرماتے ہیں ؟ اگر کوئی اور "صاحب دل" آپ کی نگاہ میں ہو تو اس کا پتہ بتائیے۔ شاید حشر و نشر والا خدا اپنے بندوں کو آگ میں

Scanned with CamScanner

جھونک کر خوش ہونے والا خدا وہیں مل جائے۔

ایک شخص نیاز صاحب سے بیدل پر "ریسرچ" تحقیقی کام کے متعلق استفسار کرتے ہیں، بیدل کا تذکرہ آیا اور نیاز بے تاب ہو گئے۔ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:-

بندہ نواز! آپ نے بیدل کا تذکرہ کر کے مجھے بے چین کر دیا۔ جی تو میرا بھی وہی چاہتا ہے جو آپ فرماتے ہیں، لیکن عرفی کا شعر آپ نے سنا ہوگا ؎

من کہ باشم عقل کل را ناوک اندازِ ادب
مرغ اوصاف تو از اوج بیاں انداختہ

پھر سب سے بڑا سوال وقت و فرصت اور صحت و توانائی کا ہے۔ اگر آپ کے پاس "کایا پلٹ" کا نسخہ ہو تو بھیج دیجئے تاکہ اسے استعمال کر کے پہلے جوان ہو جاؤں پھر ملک الموت سے وعدہ لیجئے کہ وہ کسی ناگہانی حادثہ کی صورت میں بھی کم از کم پچاس سال تک میرے سامنے نہ آئیں گے۔ سچ کہتا ہوں کہ بیدل پر ریسرچ کرنے کے لئے اتنے ہی وقت و اطمینان کی ضرورت ہے۔

آج کل کے بعض نوجوان جو فارسی میں ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی تیاریاں کر رہے ہیں، میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ وہ کس موضوع

Scanned with CamScanner

پر ریسرچ کریں۔ میں نے ان میں سے ہر ایک کے سامنے بیدلؔ کا نام لیا، لیکن ان میں سے کسی نے سانس تک نہ لی۔ وہ غریب کیا کریں خود ان کے اساتذہ میں بیدلؔ کو سمجھنے کی اہلیت نہیں[1]۔ آپ کے حلقہ میں اگر کوئی سرپھرا نوجوان ایسا نظر آئے تو اسی کو آمادہ کیجئے۔ جہاں تک مشورہ کا تعلق ہے میں ہر وقت حاضر ہوں۔

ایک دوسرے صاحب بیدلؔ کے متعلق نیازؔ صاحب سے کچھ پوچھتے ہیں، وہ ان سے ذرا کھل کر بات کرتے ہیں اور اپنے تفصیلی خیالات ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں :۔

صدیق محترم! خط ملا، نہ پوچھئے کتنی مسرت ہوئی۔ اب تو کوئی شخص بیدلؔ کا ذکر کر دیتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ "صدائے الست" معلوم نہیں کتنی دور سے آ رہی ہے۔ حال ہی میں ایک صاحب تشریف لائے تھے، وہ بھی ڈاکٹریٹ کے لئے بیدلؔ کا انتخاب کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے مدد اور مشوروں کے طالب تھے۔ وہ کہتے رہے میں سنتا رہا اور جب آخر میں نے

---

[1] الا ماشاء اللہ۔ (اضافہ عطاؔ)

Scanned with CamScanner

ان سے فرمائش کی کہ بیدل کا کوئی شعر سنائیے جو آپ کو بہت پسند ہو" تو معلوم ہوا کہ حضرت (حضرت) نے بیدل کا صرف نام ہی سنا ہے اور اس کا کلام دیکھنے کی نوبت کبھی نہیں آئی۔ میں نے پوچھا کہ آپ اپنا مقالہ کب تک پیش کرنا چاہتے ہیں، فرمایا "سال آئندہ"۔ میں نے جواب میں بیدل کا یہ مصرعہ انہیں سنا دیا :-

زشبنم بخیہ نتواں کرد چاکِ دامنِ گل را

اور خاموش ہو رہا۔

آپ سے مگر میں ایسی باتیں نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کے مطالعہ و ذوق دونوں سے واقف ہوں۔

سب سے پہلا اور سب سے بڑا کام یہ ہے کہ بیدل کے کلام کی جستجو کی جائے۔ عرصہ ہوا نول کشور پریس نے اس کا کلیات اور مجموعۂ نثر جس میں چہار عناصر[1] اور نکات بھی شامل تھے، طبع کیا تھا[2] اور ہر چند وہ مکمل نہ تھا، لیکن اب یہ نامکمل ایڈیشن بھی نہیں ملتا۔ نول کشور سے

---

[1] مجموعہ کا نام چہار عنصر مشہور ہے۔ عطا

[2] مطبوعہ ۱۲۹۳ھ، بمبئی والے نسخہ سے نول کشور قدیم ہے۔ عطا

Scanned with CamScanner

پہلے مطبع صفدری بمبئی نے ۱۲۹۹ھ میں ایک مجموعہ شایع کیا تھا[1] اور وہ نسبتاً زیادہ مکمل تھا مگر اب وہ بھی نایاب ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان کے کتب خانوں میں کہاں کہاں اس کی تصانیف کے مخطوطات مل سکتے ہیں، مگر ہوں گے ضرور۔ جس زمانے میں میرا قیام حکیم اجمل خاں مرحوم کے پاس تھا اس وقت ان کے کتب خانے میں ایک قلمی نسخہ بیدل کا دیکھا تھا جس میں بہت سی چیزیں مطبوعہ نسخوں سے زیادہ تھیں۔ معلوم نہیں یہ نسخہ اب بھی موجود ہے یا نہیں۔ نثر میں اسکی تین چیزیں ہیں۔ نکات، چہار عناصر اور رقعات۔ لیکن ان میں ہزاروں اشعار پائے جاتے ہیں باقی اس کا تمام کلام منظوم ہے جس کے شعروں کی تعداد لاکھوں تک پہونچتی ہے۔ اس کے دیوان میں بھی تیس ہزار اشعار سے کم نہیں۔ لیکن اس کی دوسری تصانیف میں بھی غزلیں اتنی کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ اگر ان سب کو اکٹھا کر لیا جائے تو اس کے دیوان کا حجم دوچند ہو سکتا ہے۔

میرے پاس وہی بمبئی والا نسخہ ہے۔ اس میں سب سے پہلے "مثنوی عرفاں"

---

[1] اس سے پہلے مطبع احمدی دہلی نے ۱۲۷۸ھ میں دو جلدوں میں کلیات شایع کیا تھا۔ اس کی پہلی جلد خدا بخش لائبریری میں اور دوسری جلد میرے پاس ہے۔ عطا

درج ہے اور پھر مثنوی "طور معرفت" اس کے بعد نکات، اشارات، رقعات، چہار عناصر، مثنوی محیط اعظم۔ غزلیات، رباعیات، مثنوی "طلسم حیرت" قصاید فیوض ہیں اور گو میں جانتا ہوں کہ یہ نسخہ ناقص ہے۔ تاہم اس میں بھی جو کچھ ہے وہ اتنا ہے کہ ایک شخص پوری عمر صرف کرنے کے بعد بھی اس کا مطالعہ ختم نہیں کر سکتا۔

پندرہ سال کی عمر سے اس وقت تک بیدل کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن اس سمندر سے ایک قطرہ بھی نہیں اٹھا سکا۔ بیدل کا ذوق انسان میں عجیب قسم کا ذہنی استسقا پیدا کر دیتا ہے اور وہ اس کی ہر چیز سمجھ لینے کے لئے اس کے کلام کی بیتابانہ ورق گردانی کرنے لگتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس کی کسی خصوصیت کو نہیں پہچان سکتے۔

میری رائے میں سب سے پہلے چہار عناصر کا مطالعہ کرنا چاہئے کیونکہ اسی سے کچھ پتہ بیدل کی زندگی کا بھی چلتا ہے۔ نیز یہ کہ کن واقعات وحالات سے وہ کیوں کر متاثر ہوا۔ اس کے بعد نکات پڑھنا چاہئے اور اگر زندگی وفا کرے تو اس کی مثنویوں کی تلاوت کرنا چاہئے کہ بیدل کی شاعری کا کمال انہیں سے ظاہر ہوتا ہے۔

بیدل کا کلام اپنے پیام کے لحاظ سے یکسر غیر متنوع ہے اور زبان کے

Scanned with CamScanner

لحاظ سے بھی درس و تدریس کی چیز نہیں۔ لیکن انداز بیان اور نزاکت تخئیل کے لحاظ سے وہ یقیناً اس دنیا کی چیز نہیں۔ بیدؔل ہی دنیا کا سب سے پہلا اور آخری شاعر ہے جس کی زبان تخئیل نے پیدا کی اور تخئیل ناورائی ادراک نے۔

صنف نازک کی ایک فرد نے نیازؔ صاحب کو ایک خط لکھا اور بیدؔل سے دل چسپی کا اظہار کیا۔ اس کے جواب میں وہ یوں لکھتے ہیں :۔

نیاز نوازی کا شکریہ ـــ مکتوب گرامی کا جواب کافی تفصیل چاہتا ہے اور شاید حضوری بھی، سو ان میں ایک چیز مجھ سے متعلق ہے اور دوسری آپ سے۔

آپ کا بیدؔل سے لگاؤ بڑی مسرت آمیز حیرت کی بات ہے۔ مسرت تو اس لئے کہ آپ میری ہم مشرب نکلیں اور حیرت اس لئے کہ آج کل مردوں میں بھی کوئی شناسائے بیدؔل نظر نہیں آتا چہ جائیکہ نسائی طبقہ کے کسی فرد کی طرف سے اس ذوق کا اظہار۔

دل کو آئینۂ تمثال کہنا بیدؔل کی بڑی محبوب چیز ہے اور چونکہ آئینہ کا کوئی نقش مستقل نہیں ہوتا اس لئے وہ اسے وحشت پیوند کہتا ہے۔

Scanned with CamScanner

شعر[1] کا مفہوم یہ ہے کہ میرے دل میں جو نقش ابھرتا ہے وہ آخر کار وحشت انجام ہی نظر آتا ہے اس لئے حیران ہوں کہ وہ کون بے وفا ہے جس نے میرے دل کو آئینہ تمثال بنا کر اس عذاب میں مبتلا کر دیا۔ مدعا یہ ہے کہ دل میں اب سوائے جلوۂ دوست کے کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہے اور اس کے علاوہ جو خیال پیدا ہوتا ہے وہ باعثِ وحشت ثابت ہوتا ہے۔ بے وفا یہاں پیار کے لب و لہجہ میں استعمال کیا گیا ہے۔

نیاز صاحب اپنے ایک دوست کو خط میں مبالغہ اور نکتہ وری کا فرق بتاتے ہوئے بیدل سے اس کی سند پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ مبالغہ میں حسن پیدا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ غالب کے اکثر اشعار ایسے ہیں کہ اگر وزن و قافیہ علیحدہ کر کے ان کا ترنم دور کر دیا جائے تو دل و دماغ کے علاوہ سامعہ کو بھی ناگوار ہوں۔ یہ مبالغہ ہوا نکتہ وری نہ ہوئی۔

بیدل کی شاعری میں اس رنگ کے اشعار اکثر نظر آتے ہیں اور یہ

---

[1] بیدل کا شعر یہ ہے ؎ بدل نقشے نمی بندد کہ با وحشت نہ پیوندد
نمی دانم کدامیں بے وفا آئینہ چید اینجا

Scanned with CamScanner

اس کا معجزہ ہے کہ تغزل سے کسی جگہ نہیں ہٹتا۔ کہتا ہے ؎

باغے کہ بہارش ہمہ سنگ است دل او
دشتے کہ غبارش ہمہ آب است دلِ ما

اس سے زیادہ آرٹ اور کیا ہو سکتا ہے کہ اضداد کو یکجا کر دیا جائے ، لیکن بیدل کا کمال ہے کہ "پتھر پانی اور خاک" سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر اس نے اس طرح پیش کر دیا کہ تنافر محسوس کرنے کے بجائے آپ ایک خاص کیفیت محسوس کرتے ہیں۔

ایک شعر اور سُنئے :۔

کفِ خونے کہ دارم تا چکیدن خاک می گردد
چساں گیرم بہ ایں بے مائگی دامانِ قاتل را

مصرعہ اول میں جو دعویٰ کیا گیا ہے وہ صحیح نہیں۔ لیکن دوسرے مصرعے میں اس قدر غضب کی کشش تغزل ہے کہ ذہن کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملتا کہ وہ خون کے خاک ہو جانے پر غور کرے۔

دوسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ز نیرنگِ فسوں پردازی الفت چہ می پرسی ؟
تو در آغوشی و من کشتۂ از دور دیدن ہا

Scanned with CamScanner

یہاں بھی وہی اضداد ہے یعنی قرب و بُعد کو یکجا کر دیا ہے ۔ لیکن آپ اسے مبالغہ قطعاً نہیں کہہ سکتے ۔ پھر کیا ہے ؟ وہی نکتہ وری ۔

بیدؔل کے بعض اشعار اس معیار سے گرے ہوئے بھی نظر آتے ہیں اور باوجود مبالغہ نہ ہونے کے بھی ان میں نکتہ وری نہیں پائی جاتی یعنی ادعائے شاعرانہ تو ہے لیکن ثبوت اچھا بہم نہیں پہونچ سکا ۔ مثلاً

دلِ گم گشتہ سراغے ست زکیفیت شوق
نشہ بالد اگر از دست رود شیشۂ ما

ایک شعر ایسا ہی اور سنئے :-

عیش داند دلِ سرگشتہ پریشانی را
ناخدا باد بود کشتیٔ طوفانی را

اس میں بھی کوئی بات نہیں ۔ الغرض مبالغہ اور نکتہ وری میں فرق کرنا ضروری ہے ۔

بیدؔل کے حالات کے متعلق نیاؔز صاحب رقم طراز ہیں :-

بیدؔل کے حالات موجودہ تذکروں میں بہت ناکافی ہیں ، لیکن اگر کوئی شخص کاوش کرے تو خود انہیں کے کلیات خصوصاً چہارؔ عناصر سے بہت

Scanned with CamScanner

کچھ حالات فراہم ہو سکتے ہیں۔ تذکروں میں صرف حسین قلی خاں عظیم آبادی کا تذکرہ نشترِ عشق (جس کا ایک قلمی نسخہ یہاں موجود ہے) ایسا ہے جس میں نسبتاً زیادہ حالات نظر آتے ہیں اور جو غالباً کلیات ہی سے جمع کئے گئے ہیں۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدل کی ولادت بہ مقام عظیم آباد[1] (پٹنہ) ۱۰۵۴ھ میں ہوئی جس کا مادۂ تاریخ لفظ "انتخاب" سے نکلتا ہے۔ ترکوں میں ایک قبیلہ یا جماعت برلاس[2] کے نام سے مشہور ہے، ان کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ باپ کا نام مرزا عبدالخالق تھا۔ مرزا عبدالقادر بہت کم سن تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا، لیکن اسقدر کم سن نہ تھے کہ اس حادثہ کا اثر قبول نہ کرتے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے والد کے غم میں کچھ اشعار بھی لکھے تھے اور انہیں میں سے ایک شعر یہ بھی ہے ؎

خورشید خرامید و فروغے بہ نظر ماند
دریا بہ کنارِ دگر افتاد و گہر ماند

ہم یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں کہ یہ شعر ان کی کم سنی کا ہے۔ البتہ یہ ممکن

---

[1] ان کے عظیم آبادی ہونے کے متعلق علامہ سلیمان ندوی کا مضمون اسی کتاب میں دیکھئے۔ "ع"

[2] یا ارلاس ؟ "ع"

Scanned with CamScanner

ہے کہ جب سن شعور کو پہونچ کر انہوں نے اپنے مختلف جذبات کو منظوم کیا تو اس سلسلہ میں اس حادثہ کا بھی ذکر ان الفاظ میں کیا۔

جب پانچ سال کی عمر میں یہ کلام اللہ ختم کر چکے تو عربی کی تعلیم شروع ہوئی، جیسا کہ اب سے پہلے تمام مسلمان گھرانوں میں رواج تھا۔ جب دس سال کی عمر میں کافیہ ختم کر کے شرح ملّا کا درس شروع ہوا تو ایک دن ان کے چچا مرزا قلندر، جو ان کے سرپرست تھے اس مدرسہ میں پہونچے جہاں ان کی تعلیم ہوتی تھی۔ اتفاق سے اس وقت دو طالب علموں میں کسی مسئلہ علمی پر گفتگو شروع ہو گئی۔ مرزا قلندر نے دیکھا کہ جو طالب العلم شکست کھا رہا ہے وہ منفعل ہوتا جاتا ہے اور غالب طالب علم میں کبر و نخوت کا انداز پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر انہوں نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ چلو اُٹھو۔ اس تعلیم سے کوئی فائدہ نہیں جس کا نتیجہ صرف انفعال ہے یا نخوت۔ چنانچہ یہ اپنے چچا کے ساتھ اُٹھ کر چلے آئے اور زیادہ وقت فقرا کی صحبت میں بسر کرنے لگے۔

میرزا ابتدائے عمر سے بے انتہا ذہین، موزوں طبع اور حسن پرست تھے۔ مدرسہ میں ان کے ساتھ ایک لڑکا پڑھتا تھا جس سے یہ بہت مالوف تھے۔ یہ ہمیشہ اپنے مُنہ میں لونگ رکھتا تھا جس سے گفتگو کے وقت خوشبو پیدا ہوتی تھی۔ چنانچہ مرزا نے یہ رباعی اسی الفت کی یاد میں تحریر

Scanned with CamScanner

کی ہے :-

یارم ہرگاہ در سخن می آید بوئے عجبے کہ از دہن می آید
این بوئے قرنفل ست یا نکہت گل یا رائحہ مشک از ختن می آید

فن شعر میں انہوں نے مولنا کمال نامی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور رمزی تخلص تجویز کیا۔ ایک دن گلستاں کے مطالعہ میں مصروف تھے کہ یہ مصرعہ نظر آیا " بے دل از بے نشاں چہ گوید باز" اور اُسی وقت سے اپنا تخلص بدل کر بیدل کر دیا۔

اول اول سرکار شاہ شجاع (شاہ جہاں کا بیٹا اور بنگال کا حاکم) سے تعلق پیدا ہوا اور جب سن تمیز کو پہونچے تو شاہزادہ محمد اعظم شاہ کے دربار میں پانصدی منصب پر ممتاز ہو گئے۔ کسی نے شاہزادہ محمد اعظم سے کہا کہ میرزا عبدالقادر فن شعر کا بڑا ماہر ہے اور نہایت نادر مضامین نظم کرتا ہے۔ محمد اعظم شاہ نے لوگوں سے کہا کہ میرزا سے کہو میری تعریف میں قصیدہ لکھے۔ میں اسکو بہت بلند مرتبہ پر پہونچا دونگا۔ میرزا کو معلوم ہوا تو انہوں نے انکار کر دیا اور جب زیادہ اصرار کیا تو ترک تعلق کر کے دوآبہ کی طرف چلے آئے اور اکبرآباد۔ متھرا وغیرہ کی سیاحت کر کے شاہجہاں آباد آ گئے۔ یہاں پہونچ کر انہوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی اور حد درجہ استغنا ان کی

Scanned with CamScanner

طبیعت میں پیدا ہوگیا۔

رفتہ رفتہ اکثر امراء دربار ان کے عقیدت مند ہوگئے۔ چنانچہ نواب شکر اللہ خاں، شاکر خاں وغیرہ کے نام جو رقعات ان کے کلیات میں نظر آتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا کے تعلقات ان لوگوں سے کیسے تھے۔

نواب آصف جاہ والی دکن جو آصف تخلص کرتے تھے اپنا کلام مشورہ کے لئے میرزا کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ایک بار انہیں دکن بھی طلب کیا لیکن انہوں نے جواب میں صرف یہ لکھ کر بھیجا کہ ؎

دنیا اگر دہند نہ جنبم زجائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

میرزا کو فارسی زبان اور اس کے مصطلحات پر بڑا عبور حاصل تھا۔ اور دقت پسندی، بلند پروازی ان کی خصوصیت تھی۔ انہوں نے نظم و نثر کا انداز ہی بالکل بدل دیا اور وہ جدید اسلوب اختیار کیا جو اس سے قبل فارسی میں رائج نہ تھا۔

میر غلام علی آزاد نے اپنے تذکرہ میں ان کے تصانیف کی فہرست حسب ذیل ظاہر کی ہے :-

Scanned with CamScanner

(۱) کلیات نظم و نثر جس میں ایک لاکھ سے زیادہ ابیات تھے۔

(۲) نسخۂ عرفاں۔ چار ہزار بیت کا

(۳) طور معرفت۔ تین ہزار بیت کا

(۴) ساقی نامہ۔ دو ہزار بیت کا

(۵) تنبیہ المہوسین۔ ایک ہزار بیت کا

(۶) ترجیع بند۔ فخر الدین عراقی کے جواب میں۔ سات ہزار بیت۔

(۷) صنائع و بدائع۔ سات ہزار بیت۔

(۸) چہار عناصر۔ اٹھارہ ہزار بیت[1]

صاحب تذکرہ سرخوش لکھتا ہے کہ میں نے ان کے کلیات کو وزن کیا تھا۔ پندرہ سیر نکلا تھا۔

انہوں نے ۷۹ سال کی عمر پائی اور ۱۱۳۰ھ میں صفر کی چوتھی تاریخ کو پنجشنبہ کے دن تپ محرقہ میں انتقال کیا۔ جس مکان میں رہتے تھے وہیں دفن کئے گئے۔ ماثر الکرام میں تاریخ وفات ۳ صفر ۱۱۳۳ھ لکھی ہے[2]۔

---

[1] یہ نثر کی کتاب ہے جس میں چار عنصر ہیں۔ درمیان تحریر اشعار نظم ہوتے چلے گئے ہیں۔

[2] یہی تاریخ صحیح ہے۔ "ع"

Scanned with CamScanner

خوشگو نے ان کی تاریخ وفات میں یہ قطعہ لکھا تھا :—

افسوس کہ بیدل از جہاں روئے نہفت — و اں جوہر پاک در تہِ خاک بخفت
خوشگو چو ز عقل کرد تاریخ سوال — "از عالم رفت میرزا بیدل" گفت
۱۱۳۳ھ

میر غلام علی آزاد نے جو قطعہ تاریخ لکھا ہے اس کا مصرعہ تاریخ بھی "میرزا بیدل از عالم رفت" ہے۔

میرزا نہایت قوی الاعضا اور زبردست قد و قامت کے انسان تھے۔ جوانی میں سات سیر اور ضعیفی میں ڈھائی سیر غذا کر لینا معمولی بات تھی۔ ان کی آہنی جریب کا وزن ۳۶ سیر (شاہجہانی) تھا۔ باوجود زہد و اتقا کے ریش و بروت کو صاف رکھتے تھے۔ خزانۂ عامرہ میں ان کی وفات کے بعد کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ میر عبدالولی عزلت سورتی ایک مرتبہ عرس کے دن ان کے مزار پر گئے تو دیکھا شاہجہاں آباد کے تمام شعرا کا ہجوم ہے اور وہیں مرزا کا کلیات رکھا ہوا ہے، انھوں نے اس نیت سے کہ دیکھیں میرزا کو میرے آنے کی خبر ہوئی یا نہیں۔ کلیات کو کھولا تو صفحہ کا پہلا شعر یہ تھا ؎

چہ مقدار خوں در عدم خوردہ باشم — کہ بر خاکم آئی و من مردہ باشم

Scanned with CamScanner

یہ واقعہ صحیح ہو یا غلط اس میں شک نہیں کہ میرزا بیدل اپنے عہد کے نہ صرف بے مثل شاعر تھے بلکہ صاحب باطن بھی اسی درجہ کے تھے جسکا ثبوت میر عبدالولی کے اس واقعہ سے زیادہ ان کے کلام سے مل سکتا ہے۔

مرزا رحیم بیگ صاحب حصار کے رہنے والے جناب نیاز سے بیدل کی شاعری کے متعلق ان کی رائے پوچھتے ہیں اور بیدل کے چند اشعار کی وضاحت چاہتے ہیں۔ اس کے جواب میں جناب نیاز فرماتے ہیں :۔

بیدل کے متعلق ملک میں دو مختلف رائیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے یہاں زبان کا کوئی لطف نہیں ہے۔ خیالات میں ضرورت سے زیادہ تصنع اور آورد ہے اور تخئیل کی بلندی غیر مناسب حد تک بڑھ کر معما ہو کر رہ گئی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ بیدل کی شاعری زبان کی شاعری نہیں ہے بلکہ صرف تخئیل کی شاعری ہے اور چونکہ وہ بہت بلند ہے، اس لئے ترکیب الفاظ اور اسلوب بیان میں پیچیدگی کا پایا جانا ضروری ہے۔ کیونکہ مضامین کی رفعت مستلزم ہے الفاظ و ترکیب کی ندرت کو۔ اور چونکہ ابداع و اختراع کو ہر معمولی دماغ پسند نہیں کرتا اور نہ کچھ سمجھ سکتا ہے اس لئے اکثر لوگوں نے اس کے کلام کو مہمل کہدیا۔ میرا میلانِ طبع بھی یہی ہے

Scanned with CamScanner

کہ میں اس دوسری رائے کو پسند کروں ۔ بات یہ ہے کہ بیدل نے اپنی تمام تصنیفات میں خواہ وہ نظم کی ہوں یا نثر کی ، صرف ایک فلسفہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ ذات باری کی کنہہ تک پہونچنا امر محال ہے اور انسان اس باب میں بالکل عاجز ہے ۔ اس سلسلہ میں اس نے وحدت الوجود کو بھی اکثر جگہ بیان کیا ہے اور صرف اسی ایک خیال کے ماتحت اس نے ایسے ایسے بلند مضامین اور اس درجہ نازک و پاکیزہ جذبات سے کام لیا ہے کہ ان تک ہر ذہن کی رسائی ممکن نہیں ہے ۔ یقیناً زبان کا لطف بیدل کے کلام میں نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کیونکہ اسکی شاعری کسی معمولی عاشق کی غزل سرائی نہیں ہے جس میں پیش پا افتادہ جذبات ہجر و وصال کا اظہار ہو، بلکہ وہ بیان ہے ان کیفیات کا جن کا تعلق اس مادی دنیا سے بالکل نہیں ہے اور اس کی شاعری ایک آواز ہے جو صرف اعماق روح سے پیدا ہوتی ہے اور جن کے قبول کرنے کے لئے وسیع ترین الفاظ کا ملبوس بھی تنگ نظر آتا ہے ۔

یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب خیالات بلند، مضامین ارفع، جذبات نازک، کیفیات غیر معمولی اور واردات قلب نادر ہونگے تو ان کے بیان کرنے کے لئے عام الفاظ اور معمولی ترکیبیں کبھی کارآمد ثابت نہ ہونگی اور

Scanned with CamScanner

لا محالہ ان کے لئے جدید اسلوب بیان ، کچھ نئے الفاظ اختراع کرنے پڑینگے اور اسی حقیقت کا اظہار ہے یہ کہنا کہ

"کچھ اور چاہیئے وسعت مرے بیاں کے لئے"

لیکن عام طور پر نہ دماغ ہی ایسے پیدا ہوتے ہیں جو اس حقیقت کو سمجھ سکیں اور نہ ان کی قدامت پرستی ہی اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ وہ ہر نئی بات کو بغیر "اسناد" کے قبول کرلیں، اس لئے بیدل کے کلام کو مہمل کہنے والے زیادہ نظر آتے ہیں۔ اسی کشمکش میں غریب اقبال مبتلا ہے۔ جب تک اُردو میں اس نے اظہار خیال کیا دہلی، لکھنؤ کی لسانیات بلائے جاں بنی رہی اور اب جب کہ فارسی ملبوس اختیار کیا تو زبان داں حضرات اس میں جھول بتلاتے ہیں۔ حال آنکہ جو کچھ وہ کہتا ہے نہ اس سے قبل لکھنؤ کا روزمرہ اسے پیش کرسکا اور نہ ایرانی زبان دانی میں اس کی کوئی مثال نظر آتی ہے۔ لیکن جو نگاہیں صرف سطح تک پہونچ کر رہ جاتی ہیں، یا جن کے نزدیک صرف ظاہری آب و رنگ ہی اصل چیز ہے وہ بطونِ حقیقت کے سمجھنے سے عاجز ہیں اور اس لئے قابل عفو۔

ادبیات کا مسلمہ اصول ہے کہ خیال کی نوعیت کے ساتھ طرز ادا کا بدل جانا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس کا اہل نہیں ہے تو اسکو صحیح معنی

Scanned with CamScanner

میں ادیب نہیں کہہ سکتے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن اسی لئے پسند نہیں کیا جاتا کہ انہوں نے اسکو توبتہ النصوح بنانے کی کوشش کی اور شبلی کوئی فسانہ نہ لکھ سکے کیونکہ مراۃ العروس کی زبان پر ان کو قدرت حاصل نہ تھی۔

جس طرح مذہب وسیاست دو علٰحدہ چیزیں ہیں، جس طرح تاریخ وفسانہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں اسی طرح ان کے لئے طرز ادا بھی علٰحدہ ہونا چاہئے ورنہ اگر اصل چیز صرف زبان دانی ہو تو باقر علی داستان گو سے زیادہ سیرۃ نبوی لکھنے کا اہل اور انسائکلوپیڈیا لکھنے کا مستحق لکھنؤ کے قمر جاہ سے زیادہ اور کون ہوسکتا ہے۔

رنگ بیدل کو جو لوگ ناپسند کرتے ہیں وہ وہی حضرات ہیں جو اس اصول سے ناواقف ہیں، اور ہر خیال کو ایک ہی ملبوس میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ پس یہ یقیناً تنقید کی بے اعتدالی، قیام معیار کی نامناسب اور ذہن کی نارسائی ہے جس کو کوئی ذی فہم دماغ جو ہر چیز کو اس کی اصلی جگہ دیکھنے کا عادی ہے ہفوات سے زیادہ اور کچھ نہیں سمجھ سکتا۔

بیدل جس آسانی کے ساتھ اپنے مدعائے دشوار کو بیان کر جاتا ہے اس کا حال اسوقت معلوم ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اسکی تتبع کی کوشش کرے۔ غالب سے زیادہ سخن گو، سخن سنج کون ہوسکتا تھا لیکن طرز بیدل

Scanned with CamScanner

میں ریختہ لکھنا اس کو قیامت ہو گیا۔ چونکہ غالب کی فارسیت بہت بڑھی ہوئی تھی اس لئے اس میں اکثر جگہ بیدل ہی کے چراغ سے کسب ضیا کیا گیا اور بڑی حد تک کامیابی بھی ہوئی۔

بیدل کا کلام اپنے معنی کے لحاظ سے جس بلند مرتبہ کا ہے اسی طرح لفظی خصوصیات کے اعتبار سے ایک خاص چیز ہے۔ ایک معمولی مضمون کو بھی وہ اپنے الفاظ و ندرت ترکیب سے آسمان پر پہونچا دیتا ہے۔ مثلاً قناعت کے پامال مضمون کو لیجئے کہ ہر شخص نے اس پر خامہ فرسائی کی ہے لیکن بیدل محض انداز بیان سے اس میں ندرت پیدا کر دیتا ہے کہ مضمون کی فرسودگی کی طرف خیال ہی منتقل نہیں ہوتا۔ جب فرمان روائے حیدرآباد کی طرف سے نامۂ طلب پہونچا تو بیدل نے اپنی قناعت کا اظہار کر کے وہاں جانے سے ان الفاظ میں انکار کیا :۔

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

پہلے مصرعہ کا مضمون نہایت معمولی تھا لیکن دوسرے مصرعہ سے جو اسکی توجیہ کی گئی تو شعر عام سطح سے نہایت بلند ہو گیا۔

دوسری چیز جو بیدل کے لئے مخصوص ہے وہ اسکے کلام کا توازن ہے۔

Scanned with CamScanner

آپ مشکل سے کوئی ایسا شعر پائینگے جس میں عدم توازن کا نقص پایا جائے۔ توازن سے میری مراد یہ ہے کہ الفاظ کا اس قدر حسن کے ساتھ استعمال کیا جائے کہ سارا شعر موتی کی لڑی معلوم ہو اور اس میں کوئی لفظ ایسا نہ ہو جو ماقبل اور مابعد کے لحاظ سے نامناسب سمجھا جائے۔

تیسری خصوصیت بیدل کی یہ ہے کہ وہ دفتر کا دفتر چند الفاظ میں بیان کر دیتا ہے اور ہر چند بسا اوقات شعر کا تنگ میدان اس کو مجبور کر دیتا ہے کہ بہت سی درمیانی کڑیوں کو ترک کر دے لیکن وہ بہ حیثیت مجموعی اپنے وسیع خیال کو ایسے رنگ میں پیش کرتا ہے کہ ذہن سامع از خود تمام متروک کڑیوں کو مربوط کر کے مدعا تک پہونچ جاتا ہے اور پھر اس کی لذت میں غرق ہو جاتا ہے۔

"ذات باری کے مظاہرہ کا تنوع اور باوجود خفاء کے اس کا ذرہ ذرہ سے ظہور" یہ ایسا مسئلہ ہے جس کو قریب قریب تمام صوفی شعرا نے بیان کیا ہے لیکن بیدل کی قدرت شاعرانہ ملاحظہ ہو، لکھتا ہے :-

تجدید ناز آشفتۂ رنگ لباس آرائیت
بے پردگی دیوانۂ طرحِ نقاب افگندنت

وہ یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ تیری لباس آرائی کے انداز کا وہ عالم ہے کہ ہر وقت

Scanned with CamScanner

اس سے نیا ناز پیدا ہوتا رہتا ہے اور تیری نقاب افگنی کی ادا کا وہ رنگ ہے کہ اس سے زیادہ بے پردگی اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس نے پہلے مصرعہ میں لفظ 'آشفتہ' اور دوسرے میں 'دیوانہ' کہکر شعر کو اس حد تک پہونچا دیا کہ اس سے زیادہ ترقی ناممکن تھی۔ تجدید ناز کے متعلق یوں کہنا کہ وہ رنگ لباس آرائی کی فریفتہ ہے اور بے پردگی کو طرح نقاب افگنی کا دیوانہ کہنا، مضمون کو جسقدر بلند کر دیتا ہے، ارباب ذوق سے مخفی نہیں۔

اسی زمین میں اسی مفہوم کو دوسرے شعر سے یوں ظاہر کرتا ہے :-

ہر جا بروں جوشیدۂ خود را بہ خود پوشیدۂ
در نور شمعت مضمحل فانوسئ پیراہنت

شمع کے فانوس کا مضمحل ہو کر شمع کے چھپانے میں کامیاب نہ ہونا ایسی زیادہ بلند بات نہ تھی لیکن "خود را بہ خود پوشیدۂ" کہکر یہ ثابت کرنا کہ وہ فانوس بھی تیری ہی ذات ہے۔ اور ذات بھی وہ جس کا حال یہ ہے کہ "ہر جا بروں جوشیدہ است" ذہن کو خیال کی اس سرحد تک پہونچا دیتا ہے کہ اس کے آگے پرواز محال معلوم ہوتی ہے۔ اس غزل کا ایک اور شعر ہے :-

در نوبہار لم یزل جوشیدہ از باغ ازل
نہ آسماں گل در بغل یک برگ سبز گلشنت

Scanned with CamScanner

معترض سے کہئے کہ "نہ آسماں گل" کی ترکیب کو یہاں سے علٰحدہ کرکے کوئی دوسرا لفظ یا فقرہ استعمال کرے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ لفظ جو شیدہ کے ثبوت کو تکمیل تک پہونچانے والا ہو۔ کیا اس میں کامیابی ممکن ہے ؟ ہرگز نہیں۔

بیدل کی قدرت شعرگوئی کا ثبوت مشکل زمینوں میں زیادہ ملتا ہے بعض بعض ایسے پیچیدہ ردیف و قافیہ کی غزلیں ہیں کہ ان میں کسی معمولی شعر کا نکلنا بھی دشوار معلوم ہوتا ہے لیکن بیدل وہاں بھی اسی طرح خلاق معانی نظر آتا ہے اور اس کی چست ترکیبوں کا وہی عالم ہے۔ ایسے ہی ایک مشکل زمین کا مطلع ہے :۔

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہِ کہ می خرامد ؟
جگر بداغِ کہ می نشیند نفس بآہِ کہ می خرامد ؟

فلسفہ وہی ہے اور خیال وہی کہ کنہ حقیقت باری کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن انداز بیان ملاحظہ ہو اور اس کے ساتھ زمین کی دشواری پر نگاہ کرکے ردیف و قافیہ کا صرف دیکھئے کہ کتنا مربوط و دل نشیں ہے۔

اپنے آپکو پرتوِ نورِ ربانی کا ایک مظہر قرار دے کر دوسرا شعر لکھتا ہے :۔

اگر نہ رنگ از گل تو دارد بہار موہوم ہستی ما
زپردہ چاک ایں کتانہا فروغِ ماہِ کہ می خرامد ؟

Scanned with CamScanner

مقطع دیکھئے، اسی کو سحر حلال، شاعرانہ اعجاز اور ملہمات ربانی کہتے ہیں :۔

گر ز چشمش غلط نگاہے رسد بہ فریاد حال بیدل

وگرنہ آں برقِ بے نیازی پئے گیاہِ کہ می خرامد ؟

یعنی اس مشت خاک سے زیادہ خوش قسمت کون ہو سکتا ہے جسکو وہ برق بے نیازی اپنا نشیمن بنانا پسند کرے۔

بیدل سمجھتا ہے کہ کب اس برق کی بے نیازیاں متوجہ ہو سکتی ہیں اور اس لئے ایک عالم یاس میں کہتا ہے کہ اگر کوئی صورت اسکے حصول کی نہ ہو تو صرف یہ کہ شاید کوئی نگاہِ غلط انداز میسر آجائے۔

اس شعر میں ایک ایک لفظ کو دیکھئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جوہری نے نہایت احتیاط سے نگینے جڑ دئے ہیں۔ اور اگر ایک لفظ بھی علحدہ کر کے دوسرا لفظ رکھ دیا گیا تو وہ رنگ جاتا رہے جو بہ حیثیت مجموعی ان تمام نگینوں کی آب و تاب سے پیدا ہو رہا ہے۔

کہاں تک عرض کروں۔ بیدل کا تو سارا کلام، نظم ہو یا نثر اس لحاظ سے منتخب ہے اور ساری عمر صرف کرنے کے بعد بھی ایک شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کی لذتوں سے سیر ہو چکا ہے۔ شاید چہار عناصر کی ابتدا میں بہ سلسلہ حمد وہ اس خیال کو ظاہر کرتا ہے کہ خدا کی حقیقت تک کون پہونچ سکتا ہے اور

Scanned with CamScanner

ہمارا یا کسی اور کا اس کے بابت کچھ لکھنا یا اسکی حمد میں کسی خیال کا اظہار کرنا کیا وقعت رکھتا ہے ۔ اس خیال کو لکھتے لکھتے وہ ایک جوش میں آ کر کہتا ہے کہ :-

"غبارے سطر آشفتگی بر ہوا نگاشت ، پنداشت مصنف کتاب آسا نم پر کا ہے بیاد فطرت بر باد گذاشت ، دانست منشی طومار کہکشانم"

یہ عالم اسکی نثر نگاری کا ہے ۔ الغرض بیدل میرے نزدیک ایک ایسا شاعر تھا جس کی مخالفت ملک میں ہونی ضروری تھی ورنہ آج اس کے کمال کی کوئی یقینی دلیل پیش نہ کر سکتے ۔

معاف کیجئے حکایت لذیذ تھی اس لئے درازی کی حد تک پہونچ گئی

اب آپ کے مرسلہ اشعار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں :-

(۱) بہ نمود ہستیٔ بے اثر چہ نقاب شوق کنم از حیا
تو مگر بہ من نظر مکنی کہ دمے عرق کنم از حیا

مطلب یہ ہے کہ میں اپنی بے اثر ، ناکارہ اور فانی ہستی کو ظاہر کرنے کے لئے کیا نقاب اٹھاؤں کہ مجھے ایسا کرتے ہوئے شرم آتی ہے ۔ یعنی میں کیا ہوں جو پردہ اٹھنے کے بعد کوئی مجھے دیکھے گا ۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی صورت مجھے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی ہو سکتی ہے تو صرف اس طرح کہ آپ یک نگاہ مجھ پر ڈالے اور میں ایک لمحہ کے لئے عرق انفعال بن کر نظر آؤں

مقصود یہ کہ یوں تو میں کچھ بھی نہیں ہوں لیکن اگر کوئی نگاہ ڈالے تو شاید تھوڑی دیر کے لئے ندامت کا پسینہ بن کر ظاہر ہو سکوں۔

(۲) اگرم دہد خطِ امتحاں ہوسِ کتاب نہ آسماں

مژہ برہم آرم ازیں وآں ہمہ یک ورق کنم از حیا

اس شعر میں بیدل نے دیگر مخلوقات عالم کے مقابلہ میں انسانی شرف کو نہایت خوب صورتی سے ظاہر کیا ہے اور کہتا ہے کہ اگر کتاب نہ آسماں جرأت کرکے مجھکو امتحان کی اجازت دے دے تو میں بغیر کسی پس و پیش کے سب کو ایک ورق حیا بنا کر رکھ دوں۔ یعنی میرے وسعت خیال اور رفعتِ فطرت کو دیکھ کر وہ شرما جائے۔ مقصود یہ ہے کہ کائنات کی کوئی وسعت انسانی قوت مطالعہ کی وسعت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

(۳) نیست خراباتِ جنوں عرصہ جولانِ فسوں

لغزش مستانہ خوش ست آبلہ پیمانہ بر آ

اس شعر میں بہ ظاہر اشکال "آبلہ پیمانہ برآ" کی وجہ سے لوگوں کو معلوم ہوتا ہے لیکن اگر اس کو یوں پڑھا جائے "آبلہ پیما، نہ برآ" تو اشکال رفع ہو جاتا ہے۔ اس میں "نہ برآ" فعل نہی ہے اور آبلہ پیما کی ترکیب ویسی ہی ہے جیسے بادیہ پیما، باد پیما وغیرہ۔ اس لئے شعر کا مطلب یہ ہوا کہ خرابات جنوں

Scanned with CamScanner

میں اگر آنا ہے تو لغزش مستانہ کے ساتھ آؤ، اسطرح نہ آؤ کہ معلوم ہو آبلہ پیمائی ہو رہی ہے۔ یعنی پھونک پھونک کر قدم نہ رکھو۔ آنا ہے تو بے دھڑک آؤ اور مستانہ وار آؤ۔

(۴) کفِ پائے حجلہ نشینِ ما بہ خیال کرد مکینِ ما
پئے آرزوئے جبین ما بہ چراغ رنگ حنا طلب

یہ شعر نازک ضرور ہے، لیکن بلند نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اس وقت تو ایک معشوق حجلہ نشیں کے کفِ پا کی یاد نے ہمارے خیال پر غلبہ پا لیا ہے۔ اس لئے ایسی صورت میں ہماری آرزوئے جبیں اگر معلوم کرنا چاہتے ہو تو اسے چراغ رنگ حنا کی مدد سے تلاش کرو۔ چراغ رنگ حنا صرف کفِ پا کی رعایت سے کہا گیا۔ مدعا صرف اتنا ہے کہ اس وقت ہماری جبیں سائی کا مقصود اگر کوئی ہے تو صرف پائے حنائی کا خیال۔

(۵) چو حباب غیر لباس تو چہ توقع و چہ ہراس تو
نہ تو مانی و نہ قیاس تو چہ کشند جامہ ز پیکرت

مدعا یہ ہے کہ اے انسان تو جو اپنی زندگی کو امید و بیم میں بسر کر رہا ہے یہ سب فضول ہے کیونکہ خوف امید جو کچھ ہے اس کا تعلق حباب کی طرح صرف ظاہری ملبوس سے ہے، پھر جس طرح حباب کا ملبوس اتر جانے کے بعد

Scanned with CamScanner

کچھ نہیں رہتا اسی طرح تیرا تعلق جب جسم سے نہ رہے گا جو اس کا ملبوس ہے تو نہ تو رہے گا اور نہ تیرے قیا سات و اوہام۔

(۶) ز بلند و پست بساط رنگ اثرے نہ زد در آگہی

کہ چہ بافت سبزہ کلاہ سرو و چہ دوخت خندہ قبائے گل

بساط رنگ کے بلند و پست مناظر سے اثر پذیر ہونے کے بعد اتنا علم بھی حاصل نہ ہو سکا کہ سبزہ کلاہِ سرو بنانے سے اور خندۂ قبائے گل سینے سے عاری ہے۔ ظاہر ہے کہ سبزہ جو بہت پست ہے ترقی کر کے کلاہِ سرو نہیں بن سکتا۔ اور نہ خندۂ گل، گل کی چاک قبا کو سی سکتا ہے۔ لیکن بساطِ رنگ کی کارگاہ اسقدر بیکار چیز ہے کہ وہاں رہ کر ہمیں اتنا بھی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔

(۷) بہ خیالِ غنچہ نشستہ ام، بہ خیالِ آئینہ بستہ ام

ز دلِ شکستہ کجا روم چو بہارم آبلہ پائے گل

یعنی میں ایک غنچہ کے خیال میں بیٹھا ہوں اور ایک آئینہ کے خیال سے وابستہ ہوں۔ اور وہ غنچہ یا آئینہ میرا دل شکستہ ہے، پھر اب میں اس کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں کیونکہ میری حالت تو ایسی ہے جیسے بہار کہ جس طرح پھول اس کے پاؤں کا آبلہ ہے اسی طرح یہ میرا دل میرے پاؤں کا چھالہ بنا ہوا ہے۔ نہ پھول بہار سے جدا ہو سکتا ہے نہ میرا دلِ شکستہ مجھ سے۔

Scanned with CamScanner

(۸) تو بدست گاہ چہ آبرو ز طرب وفا کنی آرزو
کہ نہ ساخت کاسۂ رنگ و بو بہ مزاج خندہ گدائے گل

تو کس اقتدار پر یہ آرزو کرتا ہے کہ مسرت و طرب تیرے ساتھ وفا کرے۔ گدائے گل یہ تو چاہتا ہے کہ خندہ حاصل کرے لیکن اپنے کاسۂ رنگ و بو کو اس قابل نہیں بناتا۔ مدعا یہ ہے کہ ہم خود اس کے اہل نہیں ہیں کہ مورد لطف و کرم ہوں، شکایت کس کی؟

(۹) بہ کجاست آنقدرم بقا کہ تاملے کندم وفا
عرقِ خجالتِ فرصتم نم انفعال زمانیم

مجھ میں اس قدر بقا کہاں ہے کہ کوئی غور و تامل کر سکوں، میری ہستی تو گویا شرمندگیٔ فرصت کا پسینہ اور انفعال زمانہ کا نم ہے، یعنی میرا وجود تو ایسا ہے کہ اگر لفظ فرصت اس کے آگے استعمال کیا جائے تو وہ شرم سے عرق عرق ہو جائے۔

(۱۰) بہ فسردنم ہمہ تن الم بہ تردد آبلہ در قدم
چو غبار داغ نشستنم، چو سرشک ننگ روانیم

فسردگی کے لحاظ سے یکسر درد و الم ہوں اور چلنے میں بالکل آبلہ پا۔ اس لئے کیا میرا بیٹھنا اور کیا میرا چلنا کہ اگر بیٹھوں بھی تو غبار کی طرح، جو حقیقتاً

Scanned with CamScanner

بیٹھنے کے لئے عار ہے اور چلوں بھی تو آنسو کی طرح ، جو فی الحقیقت ننگ روانی ہے ۔ اپنے آپ کو آبلہ در قدم کہہ کے سرشک سے تشبیہہ دینا نہایت خوب ہے ۔

جناب محمد عبداللہ خان صاحب کراچی سے جناب نیاز کو خط لکھ کر یہ پوچھتے ہیں کہ " تکلیف تو ہوگی لیکن براہ کرم بیدل کے ان چار اشعار کا مطلب واضح طور پر بیان فرما دیجئے ۔ چونکہ آپ نے اکثر و بیشتر بیدل کا ذکر کیا ہے اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ آپ سے بہتر اس خدمت کو کوئی اور انجام نہیں دے سکتا ۔

اس کا جواب حضرت نیاز اس طرح دیتے ہیں :-

میں بیدل کا شمار ان شعرا میں کرتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ان کے کلام کا مفہوم سمجھنے سے عاری ہو تو اسے سمجھانے کی کوشش نہ کرنا چاہئے ۔ کیونکہ شعر کا لطف صرف اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب بغیر وساطت توضیح و تفسیر کے وجدانی طور پر ذہن نشین ہو جائے ۔ پھر چونکہ ہر شخص کا ذوق ایک مخصوص دائرہ کے اندر کام کرتا ہے اس لئے جب اس دائرے سے ہٹ کر کوئی چیز اس کے سامنے آتی ہے تو اس کا ذہن مشوش ہو جاتا ہے اور اگر کسی کے

Scanned with CamScanner

سمجھانے سے مفہوم سمجھ میں آ بھی گیا تو وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو از خود سمجھنے سے پیدا ہو سکتا ہے

بیدل کو شاعر کہا جائے یا نہ کہا جائے مجھے تو اس میں بھی تامل ہے۔ کیونکہ اس کی تخئیل اس درجہ نازک ہے کہ غیر معمولی ذہانت رکھنے والے بھی بعض اوقات اس کی نزاکت تک نہیں پہونچ سکتے۔

بیدل ایک مجذوب ہے۔ شاعر نہیں۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اسے شاعری کے نقطۂ نظر سے دیکھنا غلطی ہے۔ بلکہ ایک رند ژولیدہ مو، ایک سر بصحرا زدہ مجنوں کی حیثیت سے اس کی آواز کو سننا چاہیئے۔

جو اشعار آپ نے لکھے ہیں میں اپنی فہم و فراست کے مطابق ان کا مفہوم تو بیان کئے دیتا ہوں لیکن جانتا ہوں کہ وہ لطف جو بغیر تفصیل و تشریح کے حاصل ہونا چاہیئے وہ آپ کو حاصل نہ ہوگا۔ میں یہاں صرف مفہوم ظاہر کروں گا تعبیرات شاعرانہ کو آپ اس کے مطابق کر لیجئے گا۔

(۱) بہ کدام فرصت ازیں چمن ہوس از فضولی اثر کشد
شب خوں بہ عمر خضر زنم کہ نفس شراب سحر کشد

اس شعر میں مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ کارگاہِ عالم میں انسانی تگ و دو کی ہوس رانی حد درجہ حماقت ہے۔ کیونکہ انسان تو یہاں فرصت لے کر آیا ہی نہیں

اور بڑی سی بڑی فرصت و مہلت بھی حد درجہ مختصر ہے۔ پہلا مصرعہ
اتنی فرصت کہاں کہ اس چمن یا دنیا میں ہماری ہوس کوئی نتیجہ پیدا
کر سکے۔ دوسرا مصرعہ
کیونکہ اس تنگی فرصت کا یہ عالم ہے کہ عمر خضر مل جائے تو بھی وہ اس
سے زیادہ کام نہیں دے سکتی کہ بہ مشکل ہم شام کو سحر کر سکیں

(۲) شکست زاں چشم فتنہ مائل غبار امکاں بہ بال بسمل
مباش زافسون سرمہ غافل ہنوز دستے ست زیر سنگش

محبوب کی چشم فتنہ پرداز کا یہ اثر ہے کہ بال بسمل سے غبار امکاں ٹوٹ گیا
یعنی بسمل تڑپ کر مر گیا اس لئے اس وقت سے غافل نہ ہو جب ان آنکھوں
میں سرمہ بھی لگ جائے تو اس وقت خدا جانے وہ اور کیا قیامت ڈھائیگی۔
سرمہ کے متعلق یہ کہنا کہ "ہنوز دستے ست زیر سنگش" صرف اس لحاظ سے ہے
کہ طیار ہونے سے قبل وہ کھرل میں پیسا جاتا ہے

(۳) بہ کدام آئینہ مائلی کہ ز فرصت اینہمہ غافلی
تو نگاہ دیدۂ بسمل مژہ داکن و بہ کفن درآ

تو کس تماشے میں مصروف ہے کس آئینہ کے سامنے اپنی زیبائش اور
آرائش میں لگا ہوا ہے۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ جو تھوڑی سی فرصت

Scanned with CamScanner

تجھے ملی ہے وہ دیدۂ بسمل کی آخری نگاہ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے آنکھ کھول
اور کفن کے اندر آجا کہ تیری فرصت کا اقتضاء اس سے زاید نہیں۔

(۴) ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نرفت رنج خمار ما
چہ قیامتے کہ نمی رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما

یہ شعر صاف ہے، مدعا یہ ظاہر کرنا ہے کہ عاشق کی تمنائیں وصل محبوب کے باب
میں اس قدر عجیب و غریب ہیں کہ کبھی پوری نہیں ہو سکتیں۔ اس خیال کو منانے
کے لئے وہ محبوب سے کہتا ہے کہ ایک عمر گذر گئی تیرے ساتھ بادہ خواری میں
مصروف ہوں، لیکن خمار محرومی اب تک نہیں گیا۔ خدا کے لئے بتا یہ کیا
قیامت ہے کہ باوجود پہلو سے متصل رہنے کے بھی میرے پہلو سے جدا ہے۔
باوجود آغوش میں رہنے کے آغوش سے علٰحدہ ہے۔

رومی کی مثنوی نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے ضمناً بیدل کی مثنوی نگاری
کا بھی تذکرہ چھڑ جاتا ہے۔ نیاز صاحب اپنے ایک دوست کے خط میں اپنی
رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں :-

بندگان عالی! مثنوی مولانا روم سے متعلق میری رائے آپ سے کیا
ساری دنیا سے مختلف ہے۔ نظم و زبان کے لحاظ سے اس کا کوئی پایہ نہیں

Scanned with CamScanner

اور معنوی حیثیت سے بھی مجھے اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آتی۔ کہانیوں کے ذریعہ سے اخلاق کا درس دینا پرانی چیز ہے۔ اور ہر قوم کے لٹریچر میں اس کا وجود پایا جاتا ہے لیکن وہ کتابیں جو کہانیوں کو حقیقت کے رنگ میں پیش کرتی ہیں میرے نزدیک سخت مضرت رساں ہیں اور انہیں میں سے ایک مثنوی مولانا روم بھی ہے۔ آپ دیکھینگے کہ جتنی حکایتیں اس کتاب میں نظر آتی ہیں انہوں نے عوام کیا بعض خواص کی نگاہوں میں تاریخی اہمیت حاصل کرلی ہے۔ اور اس طرح ہمیں واہمہ پرست بنانے میں اس کتاب نے بھی بڑی مدد کی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس میں جن روایات واحادیث سے استناد کیا گیا ہے وہ سب کی سب موضوع وضعیف ہیں اور ایسا ہونا لازم تھا کیونکہ جب تک صنمیاتی رنگ نہ پیدا کیا جاتا جاہلوں کے لئے اس میں دلچسپی پیدا نہ ہوتی۔ لیکن کیا دلچسپی "افادیت" سے زیادہ مہتم بالشان چیز ہے۔ بہرنوع میری رائے میں یہ یکسر تخریبی لٹریچر ہے اور اس کا مطالعہ کسی طرح مفید نہیں ہوسکتا۔

رہگیا تصوف، سو اس میں شک نہیں کہ وہ اس رنگ سے خالی نہیں لیکن ایک IDEAL چیز ہونے میں مجھے بہت شک ہے، کیونکہ اس میں نہ

Scanned with CamScanner

خیال کی گہرائی ہے نہ انداز بیان کی گیرائی - اگر اس میں تاریخی ہستیوں کے متعلق غلط بیانی سے کام نہ لیا جاتا بلکہ بلا تخصیص افراد واقعات عمومی طور پر محض مثالی انداز سے حکایتیں بیان کر دی جاتیں تو اس زہر کا نقصان بہت کم ہو جاتا، لیکن افسوس ہے کہ نہ وہ ادبی خصوصیات کے لحاظ سے مطالعہ کے قابل ہے اور نہ معنوی خوبیوں کی حیثیت سے - سعدی کو میں ان سے بہت بلند سمجھتا ہوں اور عطار کو ان سے زیادہ دل چسپ - اور سچ پوچھئے تو مجھے عراقی بھی ان سے بہتر نظر آتا ہے[1]

زبان و خیال دونوں کی تکمیل اگر آپ کو دیکھنا ہے تو بیدل کی حکایتیں پڑھئے :-

ایک شخص نے کسی سنسان مزار پر شمع و پروانہ کو دیکھا، پروانہ کی حالت شمع کے گرد یہ تھی :-

کہ می گشت بیتاب گرد سرش — پرافشاں تراز دود بال و پرش
زبس پیکرش جا بجا سوختہ — زخود ہم چراغانے اندوختہ
ز ہر عضو بوسیدہ اعضائے شمع — سراپاش داغ و سراپائے شمع

---

[1] رومی کے متعلق نیاز صاحب نے جس رائے کا اظہار کیا ہے وہ محض ان کی انفرادی رائے ہے اس معاملہ میں مشکل سے ان کا کوئی ہمنوا ہو گا - "ع"

Scanned with CamScanner

پروانہ کی یہ بیتابی اور یہ سوزانی دیکھ کر اس شخص نے پوچھا :۔

نیائی چرا جانبِ انجمن کہ فرش ست صد رنگ و شمع و لگن
ز ہر گوشہ گل کردہ باغ دگر ز ہر جام تاباں چراغِ دگر
نظر تا کنی عرض نقل ست و مے نفس تا کشی حرف چنگ ست و نے
چراغے کہ سوزد بہ ویرانہا وبال ست بر بال پروانہا

اس کا جواب پروانہ نے جس انداز سے دیا وہ بھی ملاحظہ ہو :۔

پر افشاند پروانۂ بے قرار بروں ریخت از پردہ مشتے شرار
کہ پروانہ را کار با جمع نیست مرادے جز اندیشۂ شمع نیست
بہ ہر جا چراغے برافروختند دو عالم بہ چشم ترش سوختند
محال است بے طاقتِ سوختن کند فرق ویرانہ از انجمن
بہ ویرانہ گر مدعا حاصل ست کرا ذوقِ آرائش محفل ست

مولانا روم کے کلام میں بے خودی ضرور پائی جاتی ہے ، لیکن CLIMAX اس میں بھی نہیں ہے۔ بیدل کے سے ٹکڑے اس کے یہاں کہاں؟

Scanned with CamScanner

مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے

(از حضرت سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۳۳ھ میں [illegible] وفات پائی۔ ان کو طاہر نصر آبادی نے اپنے تذکرہ میں جس کو [illegible] میں بیدل کی زندگی میں ایران میں بیٹھ کر ترتیب دیا لاہوری لکھا ہے۔

بندرابن خوشگو جس نے بیدل سے ان کی آخری زندگی میں دلی میں بارہا ملاقاتیں کی ہیں، ان کو "اکبر آبادی الوطن" لکھا ہے۔ میر غلام علی آزاد جو بیدل کی وفات کے وقت ۱۷ سال کے تھے، اور جن کے سامنے خوشگو کا بیان موجود تھا[1] اپنے تینوں تذکروں، سرو آزاد، خزانۂ عامرہ میں ان کی جائے پیدائش تصریح کے ساتھ عظیم آباد لکھی ہے۔ سب سے عجیب بیان مجموعہ نغز کے مصنف میر قدرت اللہ قاسم کا ہے، جس نے اپنا تذکرہ

---

[1] اورینٹل لائبریری پٹنہ میں سفینۂ خوشگو کا جو نسخہ ہے، وہ آزاد بلگرامی کی [illegible] رہ چکا ہے۔ اس پر ان کے دستخط ثبت ہیں۔

Scanned with CamScanner

۱۲۲۱ھ میں ختم کیا ہے۔ اس نے بیدل کو بخاری المولد بتایا ہے۔ علی قلی ہدایت نے جس کا تذکرہ ریاض العارفین ۱۲۶۰ھ میں ترتیب پایا ہے، ان کو دہلوی لکھا ہے۔

ان بیانات پر نظر ڈالنے سے بیدل کے مولد و منشاء کی تعیین میں بڑا اختلاف نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے مختلف ادوار میں مختلف شہروں میں اقامت پذیر رہے۔ اس لئے ہر ایک نے ایک مقام کی طرف انہیں منسوب کر دیا۔ بخاری المولد کہنا البتہ صحیح نہیں ہے کہ وہ ان کے آبا و اجداد کا مولد ہو تو ہو، مگر ان کا تو قطعاً نہیں۔ نصر آبادی کے اس بیان کی کہ بیدل لاہوری تھے، خوشگو نے اپنے سفینہ میں اسی زمانہ میں تردید کر دی تھی، لیکن خود خوشگو کا یہ بیان کہ بیدل اکبر آبادی الوطن تھے۔ اس تصریح سے خالی ہے، اکبر آباد ان کی جائے پیدائش بھی تھی، ہو سکتا ہے کہ ان کے بزرگوں نے ترکستان چھوڑنے کے بعد اکبر آباد کو وطن بنایا ہو۔ لیکن بیدل کی پیدائش وہاں نہیں ہوئی ہے۔ کیونکہ ہر موطن کا مولد ہونا ضروری نہیں، ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بیدل کا مولد و منشاء صوبہ بہار تھا جس کا دارالحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، اور رہے۔ اس دعوے کی شہادت میں میر غلام علی آزاد جیسے محقق کا بیان ہے جس نے تین تین جگہ اس کی تشریح کی ہے، ثانیاً

Scanned with CamScanner

خود بیدل کے اشارات ہیں۔ جن سے قیاس یہی چاہتا ہے کہ ان کا مولد و منشار یا کم از کم ان کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گذرا ہے۔ چنانچہ میر غلام علی آزاد یدِ بیضا میں لکھتے ہیں —

" اصلش از قوم ارلاس[1] در بلدہ پٹنہ متولد شدہ و بہ ہندوستان نشو و نما یافت "

سرو آزاد میں ہے —

" از نژاد قوم ارلاس است، در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از نہان خانۂ عدم بشہرستان وجود خرامید۔ و در ہندوستان نشو و نما یافت "

خزانۂ عامرہ کی عبارت یہ ہے —

" اصلش از گروہ ارلاس در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از شبستان عدم بہ صبح کدۂ ہستی در رسید و در بلاد ہندوستان نشو و نما یافت او در بنگالہ بیشتر بسر می کرد "

عبدالوہاب افتخار نے بھی اپنے تذکرۂ بے نظیر میں اپنے استاد آزاد کی

---

[1] ایک ترک قبیلہ

Scanned with CamScanner

[illegible] کو [illegible] ہی کہا ہے۔

بیدل کی کچھ جوانی اور بڑھاپے کا بڑا حصہ دہلی میں گزرا، اور وہیں وفات بھی پائی۔ اس لئے اگر کسی نے انہیں دہلوی کہا تو اعتراض کا موقع نہیں ہے۔ بیدل طریق سیاحت لاہور بھی جاتے رہے ہوں، جیسا کہ بابا [illegible] ان کا جانا اور چند عرصہ میں ہے، جس کے راستہ میں لاہور پڑتا ہے۔ لاہور کا آخری سفر اپنی وفات سے دو سال پہلے کیا تھا۔ ۱۱۳۱ھ میں سادات بارہہ نے فرخ سیر کے ساتھ زیادتی کی تو بیدل نے اسکی تاریخ سادات بارہہ نے فخر می گزرد کہی اور اس کی شہرت ہوئی تو بیدل نے دہلی سے بھاگ کر لاہور عبدالصمد خان ناظم لاہور کے یہاں پناہ لی اور سال دو سال کے بعد سادات کے فتنہ کے فرو ہونے کے بعد پھر دہلی لوٹ آئے اور وہیں ۱۱۳۳ھ میں وفات پاکر اپنے گھر کے صحن میں مدفون ہوئے۔ اس بنا پر اگر اوراق میں ان کے قیام لاہور کی خبر پہونچی اور وہاں کسی نے ان کو لاہوری لکھ دیا تو مغالطہ ہو سکتا تھا۔

اصل اختلاف بیان خوشگو اور سرغلام علی آزاد کے درمیان ہے، اور دونوں مصنفوں کا زمانہ بھی قریب ہے یعنی بیدل کی وفات کے وقت خوشگو [illegible] ہوں گے تو آزاد [illegible]۔ اس لئے ان دونوں کے بیانات میں تطبیق

Scanned with CamScanner

یوں تطبیق ہو سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ خوشگو کے بیان کے مطابق بیدل
اکبر آبادی الوطن اور آزاد کے بیان کے مطابق عظیم آبادی الموطن تھے
یہ بات کہ پٹنہ ان کی جائے پیدائش تھی یا نہ تھی، خواہ مخواہ ہی ہو
لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انھوں نے بڑا حصہ خاصہ پورب کے
شہروں اور قصبوں میں گذارا، چنانچہ معتبر ذرائع خوشگو اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

"پس آں حضرت بطریق سیاحی رو بہ مشرق نہادہ بزیارت ذاتو
مرتبے در حدود ممالک بنگ[1] و بہار و ذہب بازدگی دیب جیتی
بسر بردہ، دشت و بیاباں پیمودہ و عجائب قدرت الٰہی مشاہدہ
نمودہ۔ اکثر از خصوصیات آں ہنگام در چہار عنصر نگاشتہ قلم ہا شد
و ہم دراں ایام بسیاے نعمت درویشی نیز نصیب او گردید
از آں جا بہ تکلیف پیر کامگار بہ ہندوستان رسید۔ چند سے
بہ بلدہ اکبر آباد اقامت ورزید و بزیارت اخلاف و شعاد جہاں آمد
رسیدہ کنج عزلت گزید۔"

خوشگو کی اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیدل ایک مدت تک پورب میں رہے۔

---

[1] بنگال۔

اس لئے ان کا عظیم آبادی شہر ہونا بے اصل نہیں ہے۔ اب ہم اُنکی کتاب "چہار عنصر" سے ان شہروں کا پتہ لگاتے ہیں، جہاں جہاں ان کا قیام رہا۔ یا ان کی آمد و رفت رہی۔ اور اس سلسلہ میں خود ان کے کچھ ذاتی حالات بھی زیر قلم آئیں گے۔

بیدل صوفی منش اور مشائخ اور بزرگوں کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں "چہار عنصر" ان کے صوفیانہ ذوق و شوق اور نکتہ شناسی اور بزرگوں کی ملاقاتوں اور باتوں کے تذکروں سے معمور ہے، بیدل کے والد قادری المشرب تھے۔ اور حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالےٰ کی روحانیت سے فیضیاب تھے اور عجب نہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر اسی مناسبت سے رکھا ہو۔ بیدل لکھتے ہیں۔

"تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت اک ذات مقدس آیات بود" (ص ۲۰۱)

بیدل کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا، باپ کا انتقال تو ان کے بچپن ہی میں ہو چکا تھا، مگر چچا کا سایہ مدت تک ان کے سر پر رہا۔ اور انہی کی تربیت میں پل کر جوان ہوئے۔ اس لئے سپاہیانہ اور صوفیانہ ذوق ترکہ میں پایا۔

Scanned with CamScanner

بیدل نے اپنے چچا کی شہزوری اور پرخوری ص ۳۳۳، اور اپنی شہسواری ص ۴۳۲ کے، اور خوشگو نے اپنے سفینہ میں بیدل کی پرخوری کے واقعات لکھے ہیں۔ جوانی میں اپنے صوفیانہ ورع وتقویٰ کی پردہ داری کے لئے سپاہیانہ ملازمت کا پیشہ اختیار کیا۔

بیدل کو بچپن سے تعویذ و عملیات کا شوق تھا، اور اس راہ سے وہ تصوف کے کوچہ سے آشنا ہوئے اور گو وہ موروثی طور سے قادری تھے، مگر اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے ان پر نقش بندیت اور مجددیت کے اثرات غالب معلوم ہوتے ہیں، وہ اپنی نثر و نظم میں جو نکتے بیان اور جن حقیقتوں کو ظاہر کرتے ہیں وہ تمام تر وحدت شہود، ظہور اسماء وصفات، بے تعینی، فنا، تجرد، استغنار کے مضامین ہیں، جو ان کے اشعار و نکات میں جا بجا آتے رہتے ہیں۔

بہرحال سپاہیانہ طور سے مختلف صوبوں میں ملازمت کے خیال سے یا تجرد کے عالم میں بزرگوں سے ملاقات کے شوق میں وہ مختلف شہروں میں پھرتے رہے ہیں۔ ان کی مسافرت کا مغربی سلسلہ چہار عنصر کے تفحص سے بابا حسن ابدال کے قصبہ پر جو پشاور کے قریب واقع ہے، ختم ہوتا ہے۔ یہاں ان کے فیض تلقین سے ایک جوگی جو وحدت شہود کے مسلک میں ان کا ہم عقیدہ تھا،

Scanned with CamScanner

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو کر اسلام لایا ، اور [illegible] سیاحت کا مشرقی نقطہ اڑیسہ کا شہر کٹک ہے۔ جہاں اس زمانہ میں [illegible] یعقوب چرخی کے پوتے خاندان سید محمود صوبیدار تھے (ص ۳۴۹)

[illegible] کے سفر کے مقامات میں مغرب میں بابا حسن ابدال اور پورب [illegible] کے علاوہ زیادہ تر یوپی اور بہار کے شہر اور قصبے ہیں متھرا اور [illegible] کئی مقام رہے ہیں ، اکبر آباد آئے گئے ہیں اور بہار کے مختلف [illegible] ان کی آمد و رفت رہی ہے۔ مگر ان تمام مقامات پر استقصاء [illegible] سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ بچپن سے جوانی تک اُن کا تعلق [illegible] رہا۔ اور جوانی سے بڑھاپے تک اور آخر زمانہ دہلی میں گذرا۔

[illegible] گذر چکا ہے کہ ان کے والد اور چچا قادری المشرب صوفی تھے۔ [illegible] ان کو بہاری میں ایک شیخ وقت سے ہوا۔ بیدل نے عنصر اول [illegible] ظاہری و باطنی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح بیان کیا ہے۔

"[illegible] بچپن تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی۔ ماں نے اپنے بچہ کو چھٹے سال چھٹے مہینے رجب میں پڑھانے کو بٹھایا۔ دسویں [illegible] میں قرآن پاک ختم کر کے فارسی نظم و نثر اور عربی [illegible] و نحو کی کتابیں تمام کیں۔ اور یہی ان کی رسمی تعلیم کی آخری

حد ہے۔ اس کے بعد جو کچھ پایا وہ معلم فطرت کی تعلیم کا نتیجہ ہے"۔ (ص ۳۰۰، ص ۴۰۱)

اس ظاہری تعلیم کے اختتام کے بعد ہی وہ صوبہ بہار کے ایک بزرگ شاہ کمال قدس سرہٗ کی خدمت میں پہونچ گئے، جو ان کے والد اور چچا کے پیر تھے۔ (ص ۳۰۱)

یہ بزرگ کہاں رہتے تھے، بیدل کے بیان سے صاف نہیں معلوم ہوتا، مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرائے بنارس بہار میں ایک مقام تھا، یہاں ان کا قیام تھا۔

"سرائے بنارس موضع است از نواح ممالک بہار" (ص ۳۰۷)

سرائے بنارس نام کا کوئی مقام مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"مرزا قلندر را کہ چندے در قصبہ رانی ساگر کہ بہ یمن توطن مولانا شیخ کمال افتخار مدینۃ الاولیا داشت، اتفاق اقامت بود ..... از بنارس تا رانی ساگر فرسخے بیش نہ بود" (ص ۳۰۷)

یہاں چھپا ہوا بنارس ہے، مگر غالباً صحیح سرائے بنارس ہے۔ جس کا ذکر پہلے گذرا۔ مرزا قلندر رانی ساگر جا کر شیخ کے پاس ہفتوں مقیم رہتے تھے (ص ۳۰۴)

Scanned with CamScanner

رانی ساگر میں خوشنما تالاب تھا (ص ۴۰۳)

بیدل شیخ کمال کی صحبتوں سے آغاز شباب ہی سے مانوس تھے اور چچا کے ساتھ اس بارگاہ قدس میں پہنچے تھے اور ان کے معارف و حقائق سے بہرہ مند ہوتے تھے۔ (ص ۳۱۵)

رانی ساگر صوبہ بہار میں آرہ شاہ آباد سے اٹھارہ میل اور پٹنہ سے پچاس ساٹھ میل پچھم اب بھی آباد ہے اور تالاب بھی موجود ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں بیدل کے باپ اور چچا نے تلقین کا فیض پایا، اور بیدل کے دل و دماغ نے وہاں سے آبیاری پائی۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بیدل کا مولد اگر پٹنہ نہ بھی ہو تو ان کا منشار یعنی ان کی ابتدائی نشوونما کی جگہ بہار ہی کا کوئی مقام ہے۔

شاہ کمال قدس سرہٗ سے ایک اور ملاقات کا ذکر بہار کے قصبہ آرہ میں، جو اب ضلع ہے، بیدل نے کیا ہے۔

"در ایامے کہ قصبہ آرہ اقامت کدہ امر اتفاقی بود، او یم افسردہ زمین بہل قدمش رائحہ سعادت می اندوخت" (ص ۳۱۹)

دوسرے حلقۂ شوق کے ساتھ مرزا قلندر بھی شاہ صاحب کے ہمرکاب تھے۔

"حضور مرزا قلندر کہ زہر بن موے زبانے داشت، مرہون

Scanned with CamScanner

ستایش کمالش و در ہر جنبش نفس بیانی معروف تذکرہ احوالش"

(ص ۳۱۹)

۱۰۷۰ھ میں جس سال شاہ شجاع نے شاہ جہاں کی بیماری کے زمانہ میں بنگال اور بہار میں اپنی سلطنت کا علم کھڑا کیا، بیدل پٹنہ میں یا پٹنہ کے پاس ہی کہیں مقیم تھے۔ اس زمانہ میں اس ملک کی جو کیفیت تھی اور آس پاس کے راجے اور زمیندار جس طرح ملک میں ہنگامہ برپا کر رہے تھے اور اس سے ملک میں جو بدامنی پیدا ہو رہی تھی اور راستے جیسے خطرناک ہو گئے تھے، اس کا پورا حال "عنصر چہارم" میں کئی صفحوں میں لکھا ہے، اور صوبہ بہار اور پٹنہ کا حال جس طریقہ سے لکھا ہے، اس میں بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صوبہ سے پوری طرح آشنا تھے اور یہاں کے نہ صرف شہروں بلکہ گاؤں سے بھی واقف تھے، بلکہ کہیں کہیں جا کر رہے بھی تھے۔ لکھتے ہیں۔

" سالے کہ شاہ شجاع بن شاہ جہاں بیماری پدر اسکہ مضمون سلطنت اندیشیدہ از خطۂ بنگالہ تا سرحد ممالک بہار ..... از آں جملہ تسخیر نواح ترہت کہ شمالی حدود پٹنہ ملکے است عظیم و کوہستانی مشتمل بر چندیں قصبات۔" (ص ۵۵۱)

شاہ شجاع کی طرف سے بیدل کے چچا مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا

عبد اللطیف ترہت میں فوج کے افسر تھے۔ (ص ۵۵۱) بیدل بھی ترہت میں کہیں رہ لو رہتے تھے۔ ایک مقام پر پہونچے، جس کا نام "چاند پور" بتایا ہے اور زمانہ کے عجائبات خیالی کا ایک واقعہ حوالہ قلم کیا ہے (ص ۵۵۴) اور آخر وہ کسی طرح،

"بسوادِ امن پٹنہ رسید"۔ (ص ۵۵۴)

ایک اور موقع پر پٹنہ کا ذکر کرتے ہیں۔

"در بلدہ پٹنہ وفاق معارف اتفاق مرزا ظریف" (ص ۵۵۵)

پٹنہ سے پچاس ساٹھ کوس دریائے گنگا کے اس طرف مظفر پور اور موتیہاری کے بیچ میں مسی کا نام کا ایک قصبہ تھا جو اب بھی ہے۔ اس قصبہ میں بیدل کے چچا مرزا قلندر کبھی سکونت پذیر تھے اور مرزا بیدل انکے ساتھ تھے۔ ۱۰۶۸ھ میں جب شاہ شجاع کا ہنگامہ سر پر پڑ رہا تھا، مرزا قلندر نے اسی مسی کے راستہ سے بنگال کا رخ کیا اور اپنا سامان و اسباب یہیں چھوڑ دیا۔ (ص ۵۶۶)

مسی میں اس وقت کوئی بزرگ خواجہ شاہ محمد تھے۔ ان کے تابعوں میں جوان محمد تھے۔ انہی کے پڑوس میں مرزا قلندر کی سکونت تھی۔ (ص ۵۶۶)

اسی بدامنی کے زمانہ میں بیدل کو اس قصبہ میں جانے کی ضرورت

Scanned with CamScanner

پیش آئی۔ (ص ۵۶۶) جمعیت کے بجائے تنہا ایک ملازم کو لے کر پا پیادہ چل پڑے۔ پا پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی، راہ میں بے حد تکلیف ہوئی۔ گنگا سے پار اُتر کر تین کوس ہی گئے تھے کہ تھک گئے۔ کسی طرح جمنا پور تک پہونچے، پھر تین کوس اور چلے تھے کہ بالکل بے بس ہو کر پڑ گئے۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک پیر مرد ایک گھوڑی پر سوار سامنے آئے۔ قریب آکر بڑی گرمجوشی سے سلام کیا، اور اس تباہ حالی کے ساتھ سفر کا سبب دریافت کیا۔ بیدل کے وہ پرانے ملنے والے تھے، مگر بیدل ان کو پہچان نہ سکے۔ انہوں نے کہا ــــ

"من جان محمدم از تابعان خواجہ شاہ محمد کہ در مہسی با مرزا قلندرش نسبت ہمسائیگی دیوار بدیوار است۔" (ص ۵۶۶)

انہوں نے بڑے اصرار کے ساتھ بیدل کو اپنی گھوڑی پر سوار کیا اور خود پیادہ ساتھ ہوئے اور دونوں مہسی کی طرف چلے۔

لوگوں کو بیدل کی آمد کی خبر ہوئی تو سب خوش ہوئے۔

"فردائے آں کہ پسرانِ خواجہ برسمِ قدیم صحبتِ فقیر دریافتند۔" (ص ۵۶۹)

ان لفظوں کو پھر پڑھئے کہ خواجہ صاحب کے لڑکوں نے رسم قدیم کے

5026

Scanned with CamScanner

معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا
غلط تھا آپ سے غافل گزرنا
نہ سمجھا میں کہ اس پردہ میں تو تھا

بیدل کے دیوان میں اس مسلک کی وضاحت کے لئے بعض اور اشعار دیکھئے:

شش جہت آئینہ دار شوخی اظہار اوست
نیست جز مژگاں حجابے را کہ بر داریم ما
حسن[1] مطلق داشتم خود بینیم آئینہ کرد
این قدر با ہم اثر بیہودہ است اوہام را
حیرت نگاہِ شوکتِ نومیدیٔ خودم
کایں ہفت عرصہ یک کفِ بے دستگاہِ اوست
اے غفلت آبروئے طلب بیش ازیں مریز
عالم تمام اوست کرا جستجو کنند
دریاست قطرۂ کہ بہ دریا رسیدہ است[2]

---

[1] غالب نے اسی خیال کی یوں ترجمانی کی ہے ؎
دہر جز جلوۂ یکتائیٔ معشوق نہیں ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں
[2] غالب کے یہاں دیکھئے :۔ ع عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا

Scanned with CamScanner

..... اگلے لوگوں سے سُنا ہے کہ مرزا محلہ پٹن ڈیوی میں رہتے تھے لیکن کسی تاریخ میں نہیں دیکھا" (ص ۲۳۰)

"چہار عنصر" میں میری تلاش میں وہ دفعہ اکبر آباد کا ذکر آیا ہے۔

" در بلدۂ اکبر آباد منظور ابرار امیر کامگار کہ بدلیل سعادت ازلی اوقات گرامی مصروف خدمت فقرا داشت و در احترامیکہ لائق ایں طائفہ است ..... بہ حکم حسن اعتقاد فقیر را نیز ازیں فرقہ تصور فرمودہ" (ص ۴۹۲)

دوسرا موقع۔

" تابستانے درگوشۂ از زوایائے اکبر آباد گرمی ہائے صحبت تنہائیم، بساط عافیتے پرداختہ بود" (ص ۵۴۹)

مگر اُن کے ان فقروں میں سے کسی سے بھی بوئے وطن نہیں آتی۔

Scanned with CamScanner

اقبال اور بیدل

اقبال کے ذہنی اور فکری ماخذات کا سلسلہ بہت دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ مفکرین، شعراء، صوفیا، فقراء، مفسرین، مورخین کے خیالات اور افکار سے خوشہ چینی اور استفادہ کی مثالیں اُن کے کلام اور نظام فکری میں جا بجا موجود ہیں۔ اس منزل میں جن راہبروں نے اقبال کی رہنمائی کی ہے ان میں ایک مرزا عبدالقادر بیدل بھی ہیں۔ اقبال نے مولانا رومؔ کو جا بجا اپنا پیر و مرشد اور ہادی و رہنما بتایا ہے، پیر رومی کے علاوہ کم اور لوگ ایسے ہیں، جنہیں اقبال نے اس اعزاز کا مستحق سمجھا ہے اور ان میں ایک مرزا بیدل بھی ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں :-

تعلیمِ پیر فلسفۂ مغربی ہے یہ — ناداں ہیں جن کو ہستیٔ غائب کی ہے تلاش
پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا — ہے شیخ بھی مثالِ برہمن صنم تراش
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی — اس دور میں ہے شیشۂ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ہے اک جنونِ خام — ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کہتا مگر ہے فلسفۂ زندگی کچھ اور — مجھ پر کیا ہے مرشدِ کامل نے راز فاش

Scanned with CamScanner

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباش[1]

آخری شعر مرزا بیدل کا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اقبال صرف بیدل کی شاعری، اُن کے مخصوص انداز بیان یا طرز ادا سے ہی متاثر نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ اُن کے فلسفۂ حیات کے بھی قائل ہیں۔

بیدل ایک صوفی مشرب مفکر تھے۔ ان کے خاندان کے شیخ طریقت مولانا[2] شیخ کمال قادری تھے۔ بیدل کے چچا مرزا قلندر جنہوں نے بیدل کے والد کی وفات کے بعد اس یتیم بچے کی پرورش کی تھی۔ شیخ کمال کے مرید تھے اور انہیں کے ساتھ بیدل شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بیدل نے اس زمانے کے حالات "چہار عنصر" میں بیان کئے ہیں۔ اُن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ بیدل اسی زمانے سے سلوک کی منزلیں طے کرنے لگے تھے۔ ان کے علاوہ شاہ ملوک ایک بزرگ تھے۔ بیدل نے ان کی بہت سی کرامتوں کا ذکر کیا ہے، جن سے ضمنی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ملوک کا مسلک وحدت وجودی تھا۔ اور ایک موقع پر انہوں نے مثنوی کے یہ اشعار بیدل کو سنائے تھے :—

---

[1] دیکھئے اُردو میں بھی یہ خیال ذرا مختلف انداز میں یوں آیا ہے :—
اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

[2] "بیدل"، از خواجہ عباد اللہ ص ۱۷

این توئی ظاہر کہ پنداری توئی　　ہست اندر توئی تو از بے توئی
توئی تو از دیگرے آید و فیں　　من غلامِ مردِ خود بینِ چنیں

شاہ ملوک کے ذکر میں بیدل نے فقر کی تعریف اور فقیر کی شان میں یہ شعر لکھے ہیں :-

اے بسا روشن دلے کز بے نیازیہائے شوق
چوں فروغِ مہر بر خاکِ سیاہ افتادہ است
اے بسا آئینۂ کز کسوتِ زنگاریش
یوسفستانے بخلوت گاہِ چاہ افتادہ است
معنیٔ اقبالِ فکر از غافلاں پوشیدہ اند
ورنہ در ہر خاک چندیں دستگاہ افتادہ است
ہر کجا گردِ شکستے سرمہ آراید بچشم
بے تامل نگزری آنجا کلاہ افتادہ است
عالمے محمل بدوشِ وہم جولاں می کند
کیست تا فہمد کہ منزل ہم براہ افتادہ است

اقبال کے یہاں صاحبِ نظر فقیر، قلندر یا مردِ مومن کی جو تشریح ہے وہ اسی بیان کی تشریح ہے۔

Scanned with CamScanner

تیسرے بزرگ شاہ فاضل ہیں جن کا ذکر بیدل بڑی عقیدت اور جذبے کے ساتھ کرتے ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں بیدل کو شاہ ابوالقاسم ترمذی کا فیض صحبت نصیب ہوا۔ ان کے متعلق بیدل لکھتے ہیں :-

ع بودیم آنچہ بودیم، اُو وا نمود مارا

دہلی میں بیدل کو ایک اور مجذوب سے واسطہ پڑا جن کا نام کوئی نہیں جانتا تھا۔ لیکن سب شاہ کابلی کہتے تھے۔ ان کے کشف و کرامات کے بہت سے واقعات بیدل نے بیان کئے ہیں۔ غرض بیدل کی تربیت اور سارا ذہنی نشو و نما انہیں بزرگوں اور صوفیوں کی صحبت کا مرہونِ منت ہے۔ اور ان کا تصوف محض رسمی، تقلیدی یا کتابی نہیں ہے۔ بلکہ رائج اور رسمی تصوف کے بارے میں ان کا ردعمل اس شعر سے واضح ہو جاتا ہے۔

ع در مزاجِ خلق بے کاری ہوس می پرورد
غافلاں نامِ فضولی را تصوف کردہ اند

یعنی ایسا تصوف جو مزاجِ خلق میں ہوس کی پرورش کرے، جو قوٰی کے اضمحلال کا باعث ہو۔ جس سے زندگی میں افسردگی یا پامالی کو فروغ ہو اور جو انسان کو زندگی کے مشاغل اور گہما گہمی سے دُور لے جائے، ایک فضول مسلک ہے۔ جسے غافلوں نے تصوف کا خوبصورت نام دے رکھا ہے۔ بیدل کا

Scanned with CamScanner

یہی رجحان ہے۔ جس نے انہیں متاخرین ہندی صوفیاء سے ممتاز کیا ہے اور جس نے اقبال کو ان کا گرویدہ بنایا ہے۔

بنیادی طور پر بیدل بھی صوفیاء کے ایک طبقہ کی طرح وحدتِ وجود کے قائل ہیں۔ مختلف تصانیف میں بے شمار اشعار اس مسلک کی تائید میں ملتے ہیں۔

عالم ہمہ یک جلوۂ ذاتِ احد است
این جا نہ ہیولیٰ نہ صور نہ جسد است
کثرت آثار چشم وا کردن است
این صفر چوں محو شد، ہماں یک عدد است

تخلیق کائنات میں "عدد" کی اہمیت کو سب سے پہلے چھٹی صدی قبل مسیح کے یونانی حکیم فیثاغورث نے واضح کیا تھا۔ لیکن اس کے یہاں مکمل ترین عدد "چار" ہے اور وہ کائنات میں "دوئی" کا قائل ہے۔ اس کے نزدیک حیاتِ حیوانی کے علاوہ کائنات میں مختلف صورتوں اور شکلوں میں حیات پائی جاتی ہے۔ اور یہ حیات اپنے مکمل یا نامکمل ہونے کے اعتبار سے ایک جسم سے دوسرے جسم میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔ بہرحال بیدل کی اس رباعی میں وحدت وجود کے مسئلہ کو ایک لطیف پیرایہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے

Scanned with CamScanner

کہ اصل حقیقت ایک "اکائی" ہے۔ "واحد" ہے۔ ہیولیٰ، صورت اور جسد دراصل صرف "عکس" یا "جلوہ" کا نام ہے۔ پھر سوال ہوگا کہ یہ کثرت کیوں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ 'صفر' کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوتی، لیکن 'اکائی' پر اسی صفر کا اضافہ ہو تو 'دس' کا عدد بن جائے گا۔ پھر اسی طرح صفر بڑھاتے چلے جاؤ۔ سو، ہزار، دس ہزار، لاکھ، دس لاکھ، کروڑ غرض جہاں تک چاہو بڑھتے جاؤ۔ پھر صفر نکالنا شروع کرو، آخر میں اکائی رہ جائے گی۔ جب ہم آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں تو آنکھ جو 'صفر' کی صورت ہے وحدت میں کثرت کے جلوہ کا باعث بن جاتی ہے۔ اگر آنکھ بند کرلیں تو یہ 'صفر' محو ہو جائے گا اور پھر ایک اکائی باقی رہ جائے گی۔

بیدل نے وحدت اور کثرت کے اس تعلق کو بار بار اسی طرح سلجھایا ہے:۔

بہ شوخی بر نمی آید دماغِ نازِ یکتائی
من از حیرت فزودم صفر بر اعداد نیرنگش

یا ؎

وا کردنِ چشم اینقدرم وہ ولہ دارد
بیدل بہ ہمیں صفر فزودست حسابم

Scanned with CamScanner

مثنوی "محیطِ اعظم" میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح ملتی ہے :-

تو ئی قبلۂ خود چو محرم شوی — تو محراب خویشی اگر خم شوی
دریں گنبدِ بے درِ آسماں — ز بیگانہ تا چند جوئی نشاں
بچشمِ تو نقشے سوائے تو نیست — بگوشِ تو غیر از صدائے تو نیست
بوہم و گماں برچہ پیچیدۂ — چرا خویش را غیر فہمیدۂ
گمانِ عدم، وہم ہستی ز تست — خمار از تو، سرجوش مستی ز تست
ز جائے دگر نیست ایں گفتگو — توئی منشاء غفلت و جستجو
یکے ہمچو خم در گریبانِ خویش — نظر کن بیں جوشِ طوفانِ خویش
ز شورِ تو ایں بزم دارد خروش — ز خاموشئ تست عالم خموش
طلسمِ جہاں پردۂ ساز تست — تہی از خود و پر ز آواز تست
چہ وا ماندۂ درغمِ ایں و آں — طلسم خیالی است نقش جہاں

یہ وہی خیال ہے جو اُردو میں صوفی شعراء مدّت تک پیش کرتے رہے ہیں۔ میرؔ کے اشعار دیکھئے :-

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس کا ہی ذرہ ظہور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں

Scanned with CamScanner

مطابق بیدل سے ملاقات کی اور صحبت رہی۔ رقعات بیدل کے آخر میں ایک رقعہ بہار کے کسی بزرگ کے نام کا ہے۔ جس کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے۔

"نعیم عیش صوبہ بہار مبارک باد قبلہ از روے بیدلاں
ہرچند عبودیت قدیم بہ ہیچ جاے از ادائے خدمات
سر برنمی آرد۔"

ان اقتباسات اور حالات سے ظاہر ہوگا کہ بیدل کو صوبہ بہار سے موروثی تعلق تھا اور اگر اسکو عظیم آبادی کہنے میں تامل ہو تو بہاری کہنے میں مطلق تامل نہیں۔ اور اکثر قصباتی لوگ بہاری کے بجائے عظیم آبادی کہلاتے ہیں۔

آخر میں عظیم آباد پٹنہ کے شرفاء کی زبان پر بیدل کے متوطن عظیم آباد ہونے کی جو کہانی سینہ بسینہ نقل ہوتی چلی آئی ہے۔ ہم اس کو ذکر کرتے ہیں۔ شاد عظیم آبادی اپنی تاریخ "صوبہ بہار" میں جس کو انہوں نے لکھا ہے "مرزا عبدالقادر متخلص بیدل خاص عظیم آباد پٹنہ کے متوطن تھے۔ ناقدردانی ابنائے روزگار کے سبب سے وطن کو چھوڑ کر عہدِ دولتِ شاہجہاں میں دہلی گئے اور وہاں نہایت معزز و مکرم ہوئے .....

Scanned with CamScanner

جز ما کسِ دگر نتواند بما رسید
محیط است چوں محو گردد حباب
ز خود گم شدن جزو را کل کند[1]
پیشتر ز آشوبِ کثرت وحدتے ہم بودہ است
یاد آں موجیکہ در بیرونِ ایں دریا زدیم

اس قسم کے اشعار میں بیدل کی آواز اُن بے شمار صوفیا کے ساتھ مل جاتی ہے۔ جنہوں نے وحدتِ وجود کے عقیدہ کے لازمی نتیجہ کے طور پر نقشِ جہاں کو طلسم خیالی سمجھا تھا۔ یہ وہ فلسفہ ہے جو بقول اقبالؔ "بود را نابود گفت" کی تفسیر ہے۔ اس لئے شاید پہلی نظر میں یہ تعجب ہو کہ اس مسلک کے باوجود بیدلؔ کیوں کر اقبالؔ کے مرشد کامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن ایسے بعض لمحات اقبالؔ پر بھی گذرے ہیں۔ جن کو صوفیانہ تجربات (MYSTIC EXPERIENCES) سے ہی تعبیر کر سکتے ہیں۔ ایسے عالم میں اقبالؔ کو بھی یہ سارا عالم محض ایک طلسم و مجاز، آسمان محض ایک ردائے نیلگوں اور یہ دُنیا محض جہانِ آب و گل نظر

---

[1] پھر غالبؔ سے سنئے :۔

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ میں ہوتا تو کیا ہوتا
قطرہ میں دجلہ دکھائی دے اور جزو میں کل کھیل لڑکوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

Scanned with CamScanner

آتی تھی - دوسری بات یہ ہے کہ اقبال نے بیدل کے فلسفہ اور حرکت سے جو اثر قبول کیا ہے وہ اس مسلک میں نہیں ہے - بلکہ بیدل کے یہاں انسان کی عظمت، رہبانیت کے خلاف رد عمل، علم کی حقیقت، اصل معرفت، عقل اور جنون، خودداری، خودنگری اور خودشناسی اور سب سے بڑھ کر جد و جہد اور تب و تاب کے جو گہر ہائے نایاب ہیں، اقبال انہیں کے خریدار ہوئے ہیں۔ اور اسی متاعِ بے بہا سے انھوں نے اپنی دوکان سجائی ہے - بیدل کے فلسفہ کا خلاصہ یہ ہے کہ "کل کائنات کلمات ہیں"[1] -

قل لو کان البحر مداد الکلمت ربی الایہ (کہف - ع - ۱۲)

بہر رنگ آیات حرف ست و بس — نفس در عبارات حرف ست و بس

حقیقت کہ آں سوئے ما و من است — چو بے پردہ شد حرفِ پیراہن است

چہ مقدار بیتاب اظہار شد — کہ آخر در انساں نمودار شد

تمام کائنات ایک کتاب ہے - حروف ہیں یا کلمات ہیں، اشیائے کائنات یا ان کے تصورات جو ہمارے قلب میں ہیں۔ اور جن کو ہم خیالات سے موسوم کرتے ہیں۔ فی الحقیقت حروف ہیں جن کے ذریعہ اشیائے کائنات ہم سے

---

[1] "بیدل" خواجہ عباد اللہ - ص ۲۲

ہمکلام ہو کر اپنا مافی الضمیر واضح کرتی ہیں۔ کتاب کائنات کا مصور ہے اور یہ تصویری حروف یعنی اشیا کی صورتیں ہم دیکھتے اور سنتے ہیں، "یہ کائنات عالمِ غیب و شہادت ہے۔ عالم غیب میں یہی سخن حقیقت ہے اور شہادت میں مجاز سے موسوم ہے۔" ..... یہی حقیقت جمادات میں خاموش ہے اور نباتات میں نفس اور حیوانات میں آواز اور انسان میں لغات کی صورت میں مشاہدہ ہوتی ہے، دنیا کیا ہے؟ اس کے سخن کے الفاظ کی صورت، عقبیٰ کیا ہے؟ اسی کے معنی کا مشاہدہ ..... اسی سے جہان زندہ ہے۔ اور یہی روحِ کائنات ہے۔" [۱]

یہ اور اسی طرح کے مسائل اقبال کے فکری نظام سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ اور بیدل کے کلام میں ایسے عناصر موجود ہیں جو اقبال کے کلام اور اسلام کی اسپرٹ کے منافی ہیں۔ اقبال نے اپنے خطبات میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اسلام کے خلاف بعض نئی تحریکات خود مسلمانوں کی کاوش کا نتیجہ ہیں۔ ان مسلمانوں میں ترکی شاعر توفیق فطرت بھی ہیں۔ جنہوں نے اپنی اس تحریک کی تائید کے لئے مرزا عبدالقادر بیدل کا سہارا لیا ہے [۲] لیکن ان مسائل سے

---

[۱] "بیدل" خواجہ عباد اللہ۔ ص ۱۹۱ [۲] "خطبات" ص ۸

ہٹ کر اقبال اور بیدل میں بڑی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً صوفی ہونے کے باوجود بیدل متاخرین متصوفین کی طرح اپنے آپ کو شرع کی حدود اور پابندیوں سے آزاد نہیں سمجھتے تھے۔ ایسے لوگوں کے لئے جو باوجود قدرتِ عمل، بیکاری اور کاہلی اور تن آسانی اختیار کرتے ہیں یا دیوانہ بنتے ہیں کہ تکالیف شرعیہ سے معذور سمجھے جائیں۔ بیدل اپنے پیر و مرشد مولانا شیخ کمال الدین کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :—

تا نہ گردند خاکِ جادۂ شرع
گر ہمہ منزل اند گمراہ اند

اس سے ظاہر ہے کہ بیدل کے نزدیک صوفیاء کا اسلام کوئی الگ چیز نہیں اور نہ شریعت اور طریقت کوئی ایسے دو راستے ہیں، جو ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں۔ یہیں سے بیدل کا صوفیانہ مسلک اکثر متاخرین ہندی صوفیا کے عام رنگ سے الگ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ریاضتِ جسمانی کی بحث آتی ہے۔ بیدل کہتے ہیں :—

گر عین و گر اقتباس دریافتہ در انجمنِ حواس دریافتہ
بر دامنِ جسم پاک، تحقیر مدوز حق را بہ ہمیں لباس دریافتہ

"نکات" میں اس کی وضاحت نثر میں یوں کی ہے :—

Scanned with CamScanner

"ریاضت صفائی باطن می آرد بشرطِ اعتدال، و ضعف بر قویٰ می گزارد با فراط کمال، مدعا ازیں موادِ فاسدہ را باصلاح آوردن است نہ اجزائے صالح را نیز فاسد کردن۔ ایں جا ز نگار از طبیعت زدودن است نہ آئینہ بہ مشق صیقل فرسودن۔ بحکمِ قدردانی وجود از انبیا، ہیچ کس بہ ریاضات شاقہ نساخت الّا بقدر اصلاحِ مزاج و بخورد خور نیز نپرداخت مگر بمقدار ضرورت احتیاج۔"

بنیاد جسد کہ کارگاہ اسماست روزے دو ز حکمتِ طبیعی برپاست
بر صوم و صلوٰۃ برمیفزا کاینجا تعدیل بہ ہر امر کمالِ عرفاست

بیدل جو 'جسد' اور 'جسم' کا اتنا احترام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے "عظمتِ آدم" کے کیونکر منکر ہو سکتے تھے۔ اس احساس کی ترجمانی دیکھئے :-

انساں کہ فلک ہاست سر افگندۂ او در حیرتِ او گم است دانندۂ او
دارد خاصیتے کہ در خارج و ذہن ہر چیز کہ آفریدہ شد بندۂ اوست

ہر چیز جو پیدا کی گئی، انسان کی غلام ہے۔ عظمتِ آدم اور منصبِ آدم کا یہ وہی نغمہ ہے، جس کی بازگشت ہمیں "اسرار و رموز" اور اقبال کے سارے کلام میں ملتی ہے۔ بیدل کے کچھ اور اشعار ہیں :-

Scanned with CamScanner

طالبِ صحبتِ معنیٰ نظراں باید بود
خاک در صحن بہشتے کہ نہ دارد آدم !

اصل چیز صاحب ادراک اور اہل نظر کی صحبت ہے، اسی کا طالب ہونا چاہیئے۔ جنّت جس میں حوریں ہیں، زمرد اور جواہر کے قصر ہیں۔ دُودھ اور شہد کی نہریں ہیں۔ اگر آدم وہاں نہ ہو تو خاک ایسی جنّت پر !

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقشِ آدمی
اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش

یہ وہی مفہوم ہے جسے میرؔ نے اپنے تیکھے انداز میں اس طرح ادا کیا ہے۔

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردہ سے انسان نکلتے ہیں

اور اقبالؔ کا یہ شعر ؎

آیۂ کائنات کا معنیٔ دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

عافیت دور است از نقشِ بنائے محرمی
خوں بود رنگے کز و تصویرِ انساں می شود

Scanned with CamScanner

مدعا دل بود اگر نیرنگ امکاں ریختند
بہر ایں یک قطرۂ خوں رنگِ طوفاں ریختند
متاع ہستی دارم مپرس از بود و نابودش
بصد آتش قیامت می کنی گر واکنی دودش

"نکات" میں حقیقتِ کائنات بیان کرتے ہوئے بیدلؔ نے منصب آدم کی وضاحت یوں کی ہے۔

آں نغمۂ بے نشانی پردۂ راز
کہ انساں زنوائے اوست محرج پرواز
در آئینۂ جماد موجِ رنگ است
در طبع نبات بوئے، حیواں آواز

آتش در طبع جماد برق آں حقیقت است چراغ افروز خلوت خانہ غیب، و ہوا در مزاج نبات نفس زدن آں اسرار یعنی ریاحین ارواح بے شبہ وریب، صدا در طینتِ حیواں نمود مثالش در تمہید عرض مراتب و مدارج، و سخن در ذات انساں شہود نمائش کسوت آرائے دستگاہِ مخارج، پس آفاق معمائے سخن است فاماً نامفتوح و انسان عبارتِ آں در کمال تصریح و وضوح، ہرگاہ تامل انسان کہ گریبان اسرار موالید و عناصر است

Scanned with CamScanner

زانوئے خیال باطن و ظاہر بہ تحقیق آں نفس توجہ گمارد نقاب جمیع مراتبش از نفائس موہومہ خود برمیدارد یعنی نفس انسانی درجہان نیرنگی مادّہ ظہور اسمار است۔

بہر رنگ آفاق حرفست و بس | نفس در عبارات حرفست و بس
حقیقت کہ آنسوئے ما و منست | چو بے پردہ شد حرف پیراہنست
چہ مقدار بیتاب اظہار شد | کہ آخر در انساں نمودار شد
بہ تحقیق خویش است پیچیدنش | در انساں نمودار گردیدنش

ایک غزل کا مقطع ہے :-

ز حد نمی رسی اے دُنی بعروج فطرت بیدلی
تو معلم ملکوت شو کہ نہ حریفِ کمالِ او

ایک دوسری غزل کے دو شعر ہیں :-

بیخبر از خود مگذر جانب دل ہم نظرے
اے چمنستانِ جمال آئینہ دارد سحرے
نیست دریں ہفت چمن چوں قلت اے غنچہ دہن
گلبن نیرنگ گلے، سروِ قیامت ثمرے

وہ آدم جس کا یہ منصب ہے۔ جو اس عظمت کا حامل اور اس دولت

Scanned with CamScanner

امین ہے۔ جو سلسلۂ کائنات میں ارتقا کی ایک بلند کڑی ہے۔ خود جد و جہد اور تب و تاب کا پتلا ہے۔ بیدل کے فلسفہ میں حرکت اور عمل کا یہی پہلو ہے جس نے اقبال کو ان کا مرید بنا لیا ہے۔ بیدل کا ایک شعر ہے :۔

موج دریا را بساحل ہمنشینی مشکل است
بیقراراں نذرِ منزل کردہ اند آرام را

اسی کی بازگشت اقبال کے ان اشعار میں دیکھئے :۔

ساحلے افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من کیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت
ہستم اگر می روم گر نہ روم نیستم

بیدل نے نئے نئے انداز سے اس خیال کی ترجمانی کی ہے :۔

مرا از پیچ و تابِ آرزو ایں نکتہ روشن شد
کہ در راہِ طلب معراج دامانست چیدن ہا
گر ہمہ بر خاک پیچد عشق، حسن آرد بروں
کوششِ فرہاد آخر کرد شیریں سنگ را
مقام وصل نایاب است راہِ سعی ناپیدا

چہ می کردیم یارب گر نبودے نارسیدن ہا

اس مصرع میں جس انداز سے نارسائی کی دولت اور کرامت کا ذکر ہے، اس کا عکس اقبال کے یہاں بھی بار بار ملتا ہے۔ فراق سے عشق کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ وصل اس کے لئے پیام مرگ ہے۔ بیدل لکھتے ہیں:۔

ز وصل مدعا سعیٔ طلب مایوس می گردد

بہ بیکاری رساند التیامِ زخم مرہم را

سایۂ دور از آفتاب مغتنم خود است و بس

طالب وصلِ او شدن صرفۂ من نمی کند

چو تخمِ اشک بکلفت سرشتہ اند مرا

بہ نا امیدیٔ جاوید کشتہ اند مرا

طلسمِ حیرتیم یک نفس قرارم نیست

بہ آبِ آئینۂ دل سرشتہ اند مرا

یہی بیقراریٔ پیہم اقبال کے فلسفۂ حیات و حرکت کی جان ہے۔

فلک شکار کمند است سرنگونیٔ من

ندانم از خمِ زلف کہ رشتہ اند مرا

پہلا مصرع اقبال کے یہاں کتنا شوخ اور نکھرا ہوا ہے —

Scanned with CamScanner

یزداں بہ کمند آور اے ہمت مردانہ[1]

بیدل ایک شعر میں تن آسانی سے نفرت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :-

داغِ شوقم، نیست الفت با تن آسانی مرا
پیچ و تابِ شعلہ باشد نقش پیشانی مرا

طارق فاتح اندلس نے ساحل پر اُترنے کے بعد اپنا سفینہ جلا دیا تھا، کہ سفینہ کی موجودگی شاید فرار کا سہارا بنتی یا ارادے میں اضمحلال پیدا کرتی، سفینہ جل گیا تو پھر فتح یا شہادت دو ہی صورتیں رہ گئیں۔ اقبال نے اسی واقعہ کو ایک نظم کا موضوع بنایا ہے۔ بیدل نے بھی 'شکستن کشتی' کو ہی 'ساحل امن' قرار دیا ہے :-

بجز کشتی شکستن ساحلِ امنے نمی باشد
کہ از وسعت فرو بردہ است ایں دریا کرانیہا

مو۔ ساحل کی علامتیں بیدل کے یہاں بار بار آتی ہیں --

انجمن در بغلِ ما ہمہ بیرون دریم
بحر چندانکہ زند موج کنارست ایں جا

---

[1] دراصل یہ سلسلہ بہت دور پہنچتا ہے۔ رومی فرماتے ہیں ؎

بہ زیر کنگرۂ کبریاش مردانند فرشتہ صید و ملائک شکار و یزداں گیر

Scanned with CamScanner

ز بیقراریٔ ما فارغست خاطرِ یار
دل مگر چہ خبر دارد از طپیدنِ موج
تا نمی گردد تب و تاب نفسہا برطرف
میدمد اجزائے ما چوں موجِ دریا ہر طرف

زندگی دراصل نام ہی اس جدوجہد، عمل اور حرکت مسلسل کا ہے۔ اقبال نے بار بار جس طرح اس مسئلہ پر زور دیا ہے، وہ تشریح کا محتاج نہیں۔ بیدل کے یہاں یہ رنگ دیکھئے :

زندگی محمل کشِ وہم دو عالم آرزوست
می طپد در یک نفس صد کاروان از یک دلا
باغِ جاں سختیٔ ما سبزۂ جوہر دارد
بیستوں می شود آب از شررِ تیشۂ ما
جرأت پرواز برقِ خرمنِ آسودگیست
یکجہاں آشفتگی در بال و پر داریم ما

ارتقا کی یہ طلب اور فروغ کا یہ جذبہ کائنات میں ہر جگہ کارفرما ہے۔

ہر کفِ خاکے بجوشِ صد گداز آمادہ است
یک قلم اجزائے ایں میخانہ صہبا کردنیست

Scanned with CamScanner

جب ہر کفِ خاک میں گداز ہونے کے لئے یہ جوش اور ولولہ موجود ہے تو ظاہر ہے انسان جو کائنات کا نقش حسین ہے، اس میں یہ جوش او ولولہ اسی نسبت سے قوی تر اور واضح تر ہونا چاہیئے۔ یہ جوش اور ولولہ، یہ آگے بڑھنے کی تمنا اس لئے ہے کہ انسان ابھی تکمیل کی منزل سے دور ہے۔

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید
کہ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

بیدل اسی خیال کو بڑے شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کرتے ہیں :۔

نیا مدست شرابے بعرض شوخی رنگ
جہاں ہنوز سیہ مست سایۂ تاک است

جب محض سایۂ تاک کے اثر سے سیہ مستی کا یہ عالم ہے تو معلوم نہیں جب شراب اپنا رنگ نکھار کر پختہ آتش سیال بن کر رگ و پے میں سمائے گی تو میکشوں کا کیا عالم ہوگا۔

بہشت کے متعلق عام احساس یہ ہے کہ وہ ایسا عالم ہوگا، جہاں راحت ہی راحت اور سکون ہی سکون ہے۔ جہاں موسم کے سرد و گرم یا پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے جد و جہد سے نجات مل جائے گی۔ دودھ اور شہد کی نہریں جاری ہوں گی، ہیرے اور زمرد کے قصر ہوں گے۔ جنتیوں کی خدمت

Scanned with CamScanner

کے لئے حوریں اور غلمان ہوں گے۔ کوئی خوف، کوئی کھٹکا نہ ہوگا۔ کوئی طلب، کوئی آرزو تشنۂ تکمیل نہ رہے گی۔ لیکن اس کی یکسانیت، اس جہان کی بے کیف یک رنگی۔ اس کا درد و سوز و سازِ آرزو سے محروم ہونا۔ یہ کون برداشت کر سکتا ہے؟ بیدلؔ کہتے ہیں۔

گویند بہشت است ہمہ راحتِ جاوید
جائیکہ بداغت نہ طپد دل چہ مقام است

ایک خیال یہ ہے کہ دُنیا ایک امتحان یا آزمائش گاہ ہے۔ یہاں ذوق و شوق کی بھی آزمائش ہے اور تابِ نظر کی بھی، ہمت اور جرأت کی بھی۔ بیدلؔ کا ایک شعر ہے:۔

کدام جلوہ کہ نگذشت ازیں سرائے غرور
تو ہم بتاز کہ میدانِ امتحاں خالیست

راہرو کا منزل تک جا پہنچنا ہی کامیابی اور کامرانی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جو راہی سفر کو ہی اپنی منزل سمجھے، اس کے نزدیک منزل تک پہنچنا تھک کر بیٹھنا ہے۔

بوادیٔ کہ طلب نارسائے مقصد اوست
بہوش باش کہ منزلِ رسیدگاں لنگ اند

Scanned with CamScanner

ایک اور شعر ہے :-

شمع تصویرم مپرس از دودِ داغِ حسرتم
اشک من عمریست ناگر دیدہ راہے میرود

تکمیل آرزو کے بعد زندگی کا سلسلہ صرف اسی طرح جاری رہ سکتا ہے کہ کوئی دوسری آرزو پیدا ہو جائے اور اسی طرح چراغ سے چراغ جلتا رہے۔ رہروِ شوق منزل قبول نہیں کرتا۔ اقبال نے سلطان ٹیپو کے پیغام میں لکھا ہے :-

تو رہ نوردِ شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشیں ہو تو محمل نہ کر قبول

بیدل کا یہ شعر دیکھئے :-

در عشق ز پرواز ہوس آئینہ برگیر
ہر چند رہت قطع شود باز ز سر گیر

حد یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی اس تگ و تاز میں کمی نہیں آ سکتی :-

بے غبارے نیست ہر جا مشتِ خاکے دیدہ ام
شد یقیں کز بعد مردن ہم نمی میرد ہوس

جس ذرہ کے دل میں یہ جوشِ پرواز ہو وہ اپنی آزادی اور تسکینِ ذوقِ پرواز کے لئے خود صحرا پیدا کر لیتا ہے۔

Scanned with CamScanner

عرصۂ آزادی از جوش غبارم تنگ بود

بر سرِ خود دامنے افشاندم و صحرا شدم

"اسرار" کے پیش لفظ میں اقبال نے پیر رومی کا ایک قطعہ نقل کیا ہے :-

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر

کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست

زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت

شیر خدا و رستم دستانم آرزوست

گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما

گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

بیدل نے اسی خیال کو بڑی شاعرانہ نزاکت کے ساتھ یوں ادا کیا ہے :-

موج دریا در کنارم از تگ و پویم مپرس

آنچہ من گم کردہ ام نایافتن گم کردہ ام

مرزا بیدل کے کلام میں افسردگی اور فشارگی جگہ جس ہمت، اولوالعزمی بلند فطرتی، حرکت اور عمل پیہم کا پیغام ملتا ہے۔ اس کا ایک سبب تو ان کی افتادِ طبع ہے، کہ ہر جگہ بلندی کی طرف مائل ہے۔ ان کا تخیل نہ صرف بلند پرواز بلکہ کسی حد تک بیباک ہے۔ شیفتہ نے ایک جگہ ناسخ کے کلام کی

Scanned with CamScanner

تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " طائر بلند پروازِ خیالش جز بشاخ سدرہ آشیاں نسازد۔" ناسخ کے یہاں تو یہ بلند پروازی کچھ یوں ہی سی ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے خیالی بھول بھلیوں میں بھٹکنا سمجھ لیجئے۔ مغز اُن کے اشعار میں بہت کم ہے۔ اس لئے یہ فقرہ ناسخ سے کہیں زیادہ مرزا بیدل کے لئے موزوں و مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان کے تخیل کی بلند پروازی محض واہمہ نہیں ہے۔ اس میں مغز ہے، وزن اور وقار ہے، گرانمایگی ہے۔ حکمت اور فلسفہ کی گہرائی اور گیرائی ہے۔ وہ شاعر سے زیادہ حکیم ہیں۔ اسی لئے کبھی کبھی شاعرانہ زبان اور اسلوب بیان کا جامہ اُن کے خیالات پر تنگ ہو جاتا ہے۔ اور یہی حال اُن کے فرزند معنوی مرزا اسد اللہ خاں غالب کا ہے۔

علامہ اقبال بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ انہوں نے مرزا غالب کے تخیل کی بلندی کے بارے میں جو لکھا ہے وہ بڑی حد تک مرزا بیدل پر صادق آتا ہے۔ یہی رفعت پسندی بیدل کے اس رنگ طبیعت کی ذمہ دار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بیدل کی پیدائش ۱۰۷۴ھ میں ہوئی۔ یہ شاہجہان کا عہد تھا۔ جب سلطنت مغلیہ اپنے عروج اور شباب پر تھی۔ اس دور میں ہندی مسلمانوں کے تخیل کی رفعت پسندی تاج محل کے روپ میں معراج کمال کو پہنچتی ہے۔ پھر بیدل نے اورنگ زیب کا عہد دیکھا جس نے

Scanned with CamScanner

اپنی ساری عمر درویشی اور مجاہدہ میں گزاری۔ مرزا بیدل اورنگ زیب کے بڑے معتقد معلوم ہوتے ہیں۔ ۱۰۹۷ھ میں جب اورنگ زیب نے بیجاپور اور دوسرے سال میں گولکنڈہ فتح کیا تو مرزا نے نواب شکراللہ خاں کی معرفت ایک قطعہ تہنیت پیش کیا۔ لیکن اس کا مقصد کوئی صلہ حاصل کرنا نہیں تھا۔ اپنی بے نیازی کا اظہار بڑی جرأت سے ان الفاظ میں کیا ہے:

"للہ الحمد اندیشۂ دعاگو بہانہ جوئے تقریبے است کہ بآں وسیلہ تحفۂ فقرا پیش گذارد یا مصرعے در آنجناب معروض دارد وگرنہ چہ نواب وکدام مستطاب بلکہ چہ عالمگیر وکدام بدر منیر بطریق شوق بے پروا نگاشتنی دارد وآہنگ ساز بے نیازی سر از پردہ بری آرد۔" [1]

غالباً مرزا بیدل کا یہ شعر اسی موقع پر ان کے حسب حال ہے:-

ساحل کہ اصل طینش از جوش تشنگی است
دریاست درکنار و لبش تر نمے شود

بیدل کے کلام کے بعض اور عناصر میں اقبال سے فکری ہم آہنگی ملتی ہے۔ مثلاً معرفتِ خودی۔ "بانگ درا" کا وہ بند پیش نظر رکھیے جو اس

---

[1] بیدل ص۱۵

مصرع سے شروع ہوتا ہے۔

ع آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا

اور اس کے بعد بیدل کی یہ غزل پڑھیے :۔

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو و سمن درآ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ درِ دل کشا بہ چمن درآ
پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جست و جو
بخیال حلقۂ زلفِ او گرہے خورد بہ ختن درآ
نفست اگر نہ فسوں دہد بہ تعلقِ ہوسِ جسد
رہِ دامن تو ہمیکشد کہ دریں رباطِ کہن درآ

ایک رباعی میں فرماتے ہیں :۔

اشیا عرضِ خیالِ دیدن بودست — اسما ہمہ افسانہ شنیدن بودست
ایں جملہ ز خود بروں دویدن بودست — انساں گشتن بخود رسیدن بودست

یہ انداز معرفتِ نفس صوفیا کے اس مسلک سے مختلف ہے کہ جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ یہاں انسانیت کا دار و مدار اس پر ہے کہ انسان خود بیں، خود نگر اور خود آگاہ ہو۔ اقبال نے ان چیزوں پر بار بار زور دیا ہے۔ بیدل لکھتے ہیں :۔

Scanned with CamScanner

ز سیر عالمِ دل غافلیم ورنہ حباب
سرے اگر بگریباں فرو برد دریاست

اسے پڑھ کر ہمارا ذہن اقبال کے اس مصرعہ کی طرف منتقل ہوتا ہے :-

ع خطرہ ہے لیکن مثال بحرِ بے پایاں بھی ہے

اقبال کا ایک اور مشہور شعر ہے :-

یہ ہے مقصدِ گردشِ روزگار کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

یا ع وا نمودن خویش را خوئے خودیست

بیدل کی یہ غزل اسی جوشِ نمود کی ترجمان ہے :-

ہر دل از نالہ بہارِ اثرے میخواہد ریشہ پیرائی ہر تخم پرے میخواہد
ہر کجا نکہتِ گل پیرہن رنگ دریدہ نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے میخواہد
اضطراب پر و بال آئینہ پرداز بست باز گر دیدنِ مژگاں اثرے میخواہد
قطرہ ہر گاہ کشد سر بہوائے نیساں شوق جمعیتِ وضع گہرے میخواہد
ہر کجا چشم پر و مژدۂ دیدارے ہست ہر کجا دل طپش آرد خبرے میخواہد
برق ہر جلوہ تقاضائی ناز دگرست عرض خورشید غبار سحرے میخواہد

اور یہ اشعار بھی اسی جذبے کے ترجمان ہیں :-

چہ نقشہا کہ نشد جلوہ گر ز پردۂ شوق چہ رنگہا کہ ندارد طلسمِ غنچۂ ذوق

Scanned with CamScanner

ہمیں نفس کہ غبار تعلق دہمی ست ہزار پیچ و خم آوردہ شد بگردن طوق

عقل اور جنون کے تعلق کے بارے میں اقبال کی جو نظم اس بحث کے آغاز میں نقل ہوئی اُس میں بیدل کا یہ شعر نظم کی بنیاد ہے :۔

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است

ہر چند عقل کل شدہ بے جنوں مباش

بیدل کے یہاں اس خیال کی بار بار تکرار ملتی ہے۔

درد سرِ جہانِ رنگ در خورِ دانش است و بس

نیست بکسبِ عافیت غیر جنوں مفید ما

اسی طرح فقر کی عظمت، علم ظاہر اور علم باطن کی حقیقت، طلب اور سوال کی مذمت، خودداری، آزادی، استغنا وغیرہ کے بکثرت مضامین ہیں جو اقبال اور بیدل کے یہاں مشترک نظر آتے ہیں۔ بیدل نے زمان و مکان کے بارے میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن اس بارے میں اقبال کے نظریات بیدل سے مختلف ہیں۔

(ڈاکٹر ابواللیث صدیقی)

Scanned with CamScanner

حصّۂ نظم

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

انتخاب

ستم است گر ہوست کشد کہ بہ سیر سرو سمن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن در آ

پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو
بہ خیال حلقۂ زلف او گرہے خورد بہ ختن در آ

غمِ انتظارِ تو بردہ ام برہِ خیال تو مردہ ام
قدمے بہ پرسش من کشا نفسے چو جاں بہ بدن در آ

ز سروش محفلِ کبریا ہمہ وقت می رسد این ندا
کہ بہ خلوتِ ادبِ وفا ز درِ برون نہ شدن در آ

بہ خیال چشم کہ می زند قدح جنون دل تنگ ما
کہ ہزار میکدہ می دہد بہ رکاب گردش رنگ ما

Scanned with CamScanner

ز غبارِ بیدلِ ناتواں دلِ نازکت نشود گراں
کہ رود زیادِ تو خود بہ خود چو نفس ز آئینہ زنگِ ما

شش جہت آئینہ دارِ شوخیٔ اظہار اوست
نیست جز مژگاں حجابے را کہ برداریم ما
تا نگاہے گل کند ذوقِ تماشا رفتہ است
چوں شرر سامانِ فرصت ایں قدر داریم ما

اثر گم کردہ آہنگم مپرس از عندلیبِ من
دریں گلشن نفس می سوزم از آتش نوائیہا

ہمہ عمر با تو قدح زدیم و نہ رفت رنجِ خمار ما
چہ قیامتے کہ نہ می رسی ز کنارِ ما بہ کنارِ ما
چو غبار نالہ بہ نیستاں نزدیم گاہے ز امتحاں
کہ ز خود گذشتنِ ما نہ شد بہ ہزار کوچہ دوچار ما

Scanned with CamScanner

همه را به عالم بے خودی قدحیست از مئے عافیت
سر و برگِ گردشِ ما به بیں چه خطے کشد به حصارِ ما

صفِ رنگ لاله بهم شکن مئے جوش گل به زمیں فگن
به بهار دامنِ ناز زن زحنائے دستِ نگارِ ما

نه بدامنے زحیا رسد نه به دستگاهِ دُعا رسد
چو رسد به نسبتِ پا رسد کفِ دستِ آبله دارِ ما

دلِ ناتواں به کجا برد الم تردد عاجزی
که چو سبحه هر قدم اوفتد به هزار آبله کارِ ما

به نمود هستیٔ بے اثر چه نقاب شق کنم از حیا
تو مگر به من نظرے کنی که دلے عرق کنم از حیا

اگرم دهد خطِ امتحاں هوسِ کتاب نه آسماں
مژه برهم آرم ازیں و آں همه یک ورق کنم از حیا

اگر به گلشن ز ناز گردد قدِ بلندِ تو جلوه فرما
ز پیکرِ سروِ موج خجلت شود نمایاں چو مئے ز مینا

Scanned with CamScanner

ز چشم مستت اگر نیاید قبول کیفیتِ نگاہے
طپید زمستی، برونِ آئینہ نقشِ جوہر چو موجِ صہبا

نخواند طفلِ جنوں مزاجم خطِ ز پست و بلندِ ہستی
شوم فلاطونِ ملک دانش اگر شناسیم از کفِ پا

بہ ہیچ صورت ز دور گردوں نصیب ما نیست سربلندی
ز بعدِ مردن مگر نسیمے غبارِ ما را برد بہ بالا

نہ شامِ ما را سحر نویدی، نہ صبحِ ما را دمِ سپیدی
چو حاصلِ ماست ناامیدی، غبارِ دنیا بہ فرقِ عنقا

رمیدی از دیدہ بے تامل گذشتی آخر بہ صد تغافل
اگر نہ دیدی طپیدنِ دل شنیدنی داشت نالۂ ما

بہ ہر کجا ناز سر برآرد نیاز ہم پائے کم نہ دارد
تو دخترِ صد تغافل، من و نگاہے و صد تمنا

باولین جلوہ ات ز دلہا رمید صبر و گداخت طاقت
کجاست آئینہ تا نگیرد غبارِ حیرت دریں تماشا

بہ دورِ پیمانۂ نگاہت اگر زند لاف مے فروشی
نفس بہ رنگِ کمند پیچد ز موجِ مے در گلوئے مینا

Scanned with CamScanner

شورِ جنوں در قفسا با همه بیگانه بر آ
یک دو نفس ناله شو از دلِ دیوانه بر آ

تاب و تبِ سبحه بهل رشتهٔ زنّار گسل
قطرهٔ مے جوش زن بر خطِ پیمانه بر آ

اشک کشد تا کجا ساغرِ ناموس حیا
شیشه به بازار شکن اندکے از خانه بر آ

نیست خراباتِ جنوں عرصهٔ جولانِ فسوں
لغزشِ مستانه خوش است آبله پیمانه بر آ

تا ز خودت نیست خبر در تهِ خاکست نظر
یک مژه بر خویش کشا گنج ز ویرانه بر آ

ما و منِ عالمِ دوں جمله فریب است و فسوں
رو به درِ خانه زن از کلفتِ افسانه بر آ

در کهنه تو آگاهی و غفلت همه مغدور دریا ز میاں غافل و ساحل ز کرانها
جز ناله به بازار تو دیگر چه فروشم اینست متاعِ جگر خسته دکانها

Scanned with CamScanner

چو تخم اشک به کلفت سرشته اند مرا
به نا امیدی جاوید کشته اند مرا

طلسم حیرتیم یک نفس قرارے نیست
به آب آئینه دل سرشته اند مرا

فلک شکار کمندست سرنگونی من
ندانم از خم زلف که رشته اند مرا

نه شد دریں درسگاہِ عبرت به فہم چندیں رسالہ پیدا
جنوں سوادے کہ کردم امشب ز سیر اوراق لالہ پیدا

اگر به صد رنگ پر فشانم ز دام جستن نه می توانم
کہ کرد پرواز بے نشانم چو بالِ طاؤس ہالہ پیدا

قبولِ انعامِ بادشاہاں بخود گوارا مگیر بیدل
کہ می شوند ایں گلو خراشاں چو استخواں از نوالہ پیدا

احتیاجِ خود شناسی جوہرِ آئینہ نیست
من اگر خود را نہ می دانم تو می دانی مرا

مقامِ وصل نایاب است و راہِ سعیٔ ناپیدا
چہ می کردیم یارب گر نبودے نارسیدن ہا

Scanned with CamScanner

زیرنگِ فسوں پردازیٔ الفت چہ می پرسی
تو در آغوشی و من کشتۂ از دور دیدن ہا
دریں گلشن کہ رنگش ریختند از گفتگو بیدل
شنیدن ہاست دیدن ہا و دیدن ہا شنیدن ہا

از برگ ساز قافلہ بے خوداں مپرس
بے نالہ می رود جرسِ کاروانِ ما

بر اُمیدِ وصل مشکل نیست قطعِ زندگی
شوقِ منزل می کند نزدیک راہِ دُور را

بیدل از بال و پر بستہ نیاید پرواز
غنچہ تا وا نہ شود جلوہ نہ بخشد بو را

با کمالِ اتحاد از وصل مہجوریم ما
ہم چو ساغرمے بہ لب داریم و مخموریم ما
پرتوِ خورشید جز در خاک نتواں یافتن
یک زمین و آسماں از اصلِ خود دوریم ما
بحر در آغوش و موجِ ما ست محوے برکنار
کارہا با عشق بے پرواست و معذوریم ما

Scanned with CamScanner

علاجِ زخم دل از گریہ کے ممکن بود بیدل
بہ شبنم بخیہ نتواں کرد چاکِ دامن گل را

موجِ دریا را بہ ساحل ہم نشینی مشکل است
بیقراراں نذر منزل کردہ اند آرام را

زندگی محمل کش وہم دو عالم آرزوست
می تپد در یک نفس صد کاروان از یک درآ

جرأت پرواز برق خرمن آسودگیست
یک جہاں آشفتگی در بال و پر داریم ما

بدل نقشے نمی بندد کہ با وحشت نپیوندد
نمی دانم کدامی بیوفا آئینہ چیدا اینجا

از ستمدیدگی طالع من ہیچ مپرس
انچہ پیش تو نگاہست خدنگ است اینجا

بیدل من و بیکاری معشوق تراشی
جز شوق برہمن صنمے نیست درینجا

Scanned with CamScanner

ہستی بہ تپش رفت و اثر نیست نفس را　　فریاد کزیں قافلہ بردند جرس را
ہر دل نہ برد چاشنی از دردِ محبت　　ایں آتشِ نیرنگ نہ سوزد ہمہ کس را

دریائے فردوس وا بود امروز　　از بے دماغی گفتیم - فردا

نزاکت ہاست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

یار در آغوش و نامِ او نمی دانم کہ چیست　　سادگی ختم است چوں آئینہ بر نسیانِ ما

چہ وجود و چہ عدم بست و کشاد مژہ است　　چوں شرر ہر دو جہاں را بہ نگاہے دریاب

زہے چمن ساز صبح فطرت تبسمِ لعل مہر جویت
ز بوئے گل تا نوائے بلبل فدائے تمہید گفتگویت

سحر نسیمے در آمد از در پیام گلزارِ وصل در بر
چو رنگ رفتم ز خویش دیگر چہ رنگ باشد نثار کویت

Scanned with CamScanner

بہ جستجو ہر طرف شتابم ہماں جنوں دارد اضطرابم
بہ زیر پایت مگر بیابم دلے کہ گم کردہ ام بکویت

بہ عشق نازد دل ہوس ہم بہ بالد از شعلہ خار و خس ہم
رساست سر رشتۂ نفس ہم بقدر افسونِ جستجویت

بایں ضعیفی کہ بار دردم شکستہ در طبع رنگ زردم
بہ گرد نقاش شوق گردم کہ می کشد حیرتم بسویت

اگر بہارم تو آبیاری وگر چراغم تو شعلہ کاری
ز حیرتِ من خبر نداری بیارم آئینہ رو برویت

اے پرفشاں چوں بوئے گل نیرنگی از پیراہنت
عنقا شوم تا گردِ من یابد سراغِ دامنت

تجدید ناز آشفتۂ رنگِ لباس آرائیت
بے پردگی دیوانۂ طرحِ نقاب افگندنت

ہر جا بروں جوشیدۂ خود را بہ خود پوشیدۂ
در نورِ شمعت مضمحل فانوسئ پیراہنت

Scanned with CamScanner

ہر غبارے کہ دریں عرصۂ طوفاں برخاست　　ہمہ از شوخی و بیباکیٔ جولاں برخاست

گفتگو یکسر دلیلِ ہرزہ کاریہائے ماست　　تا جرس فریاد دارد کارواں آسودہ نیست

بہ غفلت آنچناں دوریم از دوست　　کہ تا اینجا رسد وصلش پیام است

شب کہ سودائے خیالِ یار در دل جوش داشت　　چشم وا کردن زمیں تا آسماں آغوش داشت
شش جہت کیفیتِ رنگِ تحیر بود فرش　　ہر طرف می رفتم از خود جلوۂ بر دوش داشت
او خراماں بود اگر اشک از نظر می شد رواں　　او سخن میگفت اگر دل بر طپیدن گوش داشت

صحبتِ خود با خودش صد انجمن آہنگ داشت　　با وجودِ ساز بے رنگی دو عالم زنگ داشت

بہر استقبال نازش ہر کہ گامے پیش رفت　　تا ابد می یابدش چوں بوئے گل از خویش رفت

ہوش اگر باشد کتابِ نغمہ با در کار نیست　　چشم وا کردن زمین و آسماں فہمیدن ست

Scanned with CamScanner

بحرِ بیتاب کہ آں گوہرِ نایاب کجاست؟ چرخ سرگشتہ کہ خورشیدِ جہانتاب کجاست
دیر ازیں غصہ در آتش کہ بہ رنگست صنم کعبہ زیں درد سیہ پوش کہ محراب کجاست

بیدلِ آں گوہرِ نایاب سراغ بہ محیطے ست کہ پرسیدن نیست
عکس افتادہ در آئینۂ ہوش گل تواں گفت و بے چیدن نیست
عجزِ ادراک اگر فہمیدی معنیِ این ست کہ فہمیدن نیست
نسخہا در بغل و فہم محال جلوہ ہا در نظر و دیدن نیست

دیدہ اشک میکارد دل زداغ گلچین است
در بہارِ نومیدی رنگ عاشقاں این است

بہ محفلے کہ دل آئینہ رضا طلبی ست نفس درازیٔ فریاد پائے بے ادبی ست
خمارِ جامِ تسلی شکستن آساں نیست زنالہ تا بہ خموشی ہزار تشنہ لبی ست

بیا کہ ہیچ بہارے بہ حسرتِ ما نیست شکستہ رنگیٔ امیدِ بے تماشا نیست
تو ساز جلوہ کن و مدعائے دل دریاب زبانِ حیرتِ آئینہ بے تقاضا نیست

Scanned with CamScanner

اگر ز وہم برآئی چہ موج کو گرداب — جہاں بہ خویش فرو رفتہ است دریا نیست
بہر چہ میرسی از خود گذشتنی دارد — بہوش باش کہ امروز رفت و فردا نیست
حساب بیکسیٔ ما کجا تواں دادن — بقا کدام؟ چہ ہستی؟ فنا ہم از ما نیست
غریقِ بحرِ ز فکرِ حیات مستغنی ست — رسیدہ ایم بجائے کہ بیدل آنجا نیست

باز سرگرمیٔ نظارہ بہ ساماں شدہ است — شعلہ آتش دیدار گل افشاں شدہ است
صلح کل نذر حریفاں کہ دریں عشرت گاہ — آتش و آب بہم دست و گریباں شدہ است
بیدل آں شعلہ کز و بزم چراغاں گرم ست — یک حقیقت بہ ہزار آئینہ تاباں شدہ است

ہر کفِ خاکے بہ جوشِ صد گداز آمادہ است — یک قلم اجزائے ایں میخانہ صہبا کرد نیست

نیامدست ترا بے بہ غرض شوخیٔ رنگ — جہاں ہنوز بہ مست سایۂ تاک است

گویند بہشت است ہمہ راحت جاوید
جائیکہ بہ داغت نہ بہ دل چہ مقام است

Scanned with CamScanner

نیست در گلشنِ اسباب جہاں رنگِ ثبات　　ہمہ از دیدۂ ما ہم چو نظر میگذرد
چوں نفس خانہ پرستیم نداریم آرام　　عمر آسودگی ما بہ سفر میگذرد

برائے خاطرم غم آفریدند　　طفیل چشمِ من نم آفریدند
چساں تابم سر از فرمانِ تسلیم　　کہ چوں ابرویم از خم آفریدند
اگر عالم برائے خویش پیداست　　برائے من مرا ہم آفریدند

بخت من زلفِ یار را ماند　　وضع من روزگار را ماند
تا نظر باز کردۂ ہیچ است　　عمر برقِ شرار را ماند
مژہ وا کردنی نمی آرد　　ہمہ عالم غبار را ماند
محو یاریم و آرزو باقی ست　　وصل ما انتظار را ماند

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہِ کہ می خرامد ؟
جگر بداغِ کہ می نشیند نفس بہ آہِ کہ می خرامد ؟
اگر نہ رنگِ از گل تو دارد بہار موہوم ہستیٔ ما
بہ پردۂ چاک ایں کتا نما فروغِ ماہ کہ می خرامد؟

Scanned with CamScanner

غبار ہر ذرہ می فروشد بہ حیرتِ آئینہ طپیدن
رمِ غزالانِ ایں بیاباں پئے نگاہِ کہ می خرامد؟

ز رنگ گل تا بہار سنبل شکست دارد دماغ نازے
دریں گلستاں ندانم امروز کج کلاہِ کہ می خرامد؟

نگہ بہ ہر جا رود چو شبنم ز شرم می ماند آب گردد
اگر بداند کہ بے محابا بہ جلوہ گاہِ کہ می خرامد؟

مگر ز چشمش غلط نگاہے رسد بہ فریاد حالِ بیدل
وگرنہ آں برقِ بے نیازی پئے گیاہِ کہ می خرامد؟

چمن را جلوہ ات چوں بوئے گل بیتاب می سازد
خرامت شاخِ گل را موجۂ سیماب می سازد

غبار ایں بیاباں نغمہ شد از بسکہ مجنونم
بہ تارِ جادہ ہر نقشِ قدم مضراب می سازد

من آں غبارم کہ حکم نقشم بہ ہیچ عنوان در نگیرد
اگر سراپا سحر برآیم شکستِ رنگم اثر نگیرد

Scanned with CamScanner

بایں گرانی کہ دارد امروز رفت چندیں خیال دوشم
چو گشتیم پائے رفتنی کو اگر محیطم بسر نگیرد

براہ یاسے ست سعیٔ گامم کہ گر بہ لغزش رسد خرامم
کسے جز آغوش بے نشانم چو اشکم از خاک بر نگیرد

چو موج عمریست بے سر و پا تلاش شوقم ادب تقاضا
چہ ممکن است ایں کہ رشتۂ ما چو عقدہ گیرد گہر نگیرد

خوشا غنا مشربے کہ طبعش بحکم اقبال بے نیازی
ز ہر چہ گیرد جزا نہ خواہد ز ہر چہ گردد خبر نگیرد

ہمہ راست زانجمن آرزو کہ بہ کام دل ثمرے رسد
من و پر فشانیٔ حسرتے کہ ز نامہ گل نسرے رسد

چہ قدر ز منتِ قاصداں بگذارد م دلِ ناتواں
بہ برِ تو نامہ بر خودم اگرم چو رنگ پرے رسد

بہ ہزار کوچہ دویدہ ام بہ تسلیٔ نہ رسیدہ ام
ز قد خمیدہ شنیدہ ام کہ چوں حلقہ شد بہ درے رسد

Scanned with CamScanner

ز کمال نظم جنوں اثر بگداخت بیدلِ بے خبر
چہ قیامتست بر آں ہنر کہ بہ ہم چو بے ہنرے رسد

فسردگیہائے ساز امکاں ترا نہ ام را عناں نہ گیرد
حدیث طوفاں نوائے عشقم خموشی از من زباں نہ گیرد

ز خود برآ تا رسد کمندے بمنزل قصر بے نیازی
بہ نردبانہائے چین دامن کسے رہِ آسماں نہ گیرد

اگر بہ عزمِ کشادکاری ز گوشہ گیراں مباش غافل
کہ تیر پرواز را نہ شاید دمیکہ بال از کماں نگیرد

فتادۂ راز خاک بردار یا بمر نام استطاعت
کسے چہ گیرد ز ساز قدرت کہ دست و اماندگاں نگیرد

بہ کدام فرصت ازیں چمن ہوس از فضولی اثر کشد
شب خوں بہ عمرِ خضر زنم کہ نفس شرابِ سحر کشد

Scanned with CamScanner

بہ طراز دامنِ ناز او چہ زخاکساریٔ ما رسد
نہ زد آں مژہ بہ بلندیٔ کہ زگرد سرمہ دعا رسد

نگاہ ما ز تماشائے غیر مستغنی ست
برون ز خویش چراغ گہر نہ می تابد

نہ رستہ تخمے دریں گلستاں کہ نو بہارے نہ کرد ماماں
ہوائے رنگ گلت زخاکم اگر برآرد چمن برآرد

نہ تنہا از قدح مستی و از گل رنگ می جوشد
نوائے محفل قدرت بہ صد آہنگ می جوشد

ہر دل از نالہ بہار اثرے می خواہد
ریشہ پیرایۂ ہر تخم پرے می خواہد
ہر کجا نکہتِ گل پیرہنِ رنگ درید
نیست پوشیدہ کہ از خود سفرے می خواہد
ہر کجا چشم پر دمژدۂ دیدارے ہست
ہر کجا دل تپش آرد خبرے می خواہد

Scanned with CamScanner

تو کار خویش کن اینجا توئی در من نمی گنجد
گریباں عالمے دارد کہ در دامن نمی گنجد

نہ شد آنکہ شعلہ وحشتے بدل فسردہ فسوں کند
بہ زمیں طپم بہ فلک دوم چہ جنوں کنم کہ جنوں کند

خورشید خرامید و فروغے بہ نظر ماند
دریا بہ کنار دگر افتاد و گہر ماند

بے پردہ است و نیست عیاں راز من ہنوز
از خاک می دمد چو گلم پیرہن ہنوز
از بے نصیبئ من غفلت ہوا مپرس
در خوں طپید شوق و نگشتم چمن ہنوز
یک جلوہ انتظار تو در خاطرم گذشت
آئینہ می دمد ز سراپائے من ہنوز

Scanned with CamScanner

بیار بادہ کہ در صید گاہِ عالم ہوش
بہار می رسد از موج گل کمند بدوش

بذوقِ وصل جنوں در فضائے دشتِ چمن
ہلال ز ابر بہاری کشودہ است آغوش

پئے صبوحیٔ شاعر کشان محفل شوق
نشاط جام بدست است و رنگ بادہ فروش

دوانده است بصد رنگ ریشۂ امواج
ز جوئبار رگِ گل بہار طوفاں جوش

ز گرم جوشیٔ رنگِ ہوا عیاں گردید
کہ در گرفتہ در آفاق آتش خاموش

نوائے سلسلۂ شوق پردہ ہا دارد
چو عندلیب تو ہم بر جنوں زن و مخروش

دگر بساز جنوں ہوش بر نمی آید
نگاہِ آئینہ شو کسوتِ تحیر پوش

نسیم عشرتِ این فصل غنچہ در بغل است
نفس بہ موجِ ہوا محو ساز و بادہ نیوش

بقدر چشم کشودن طرب قدح پیماست
ز خواب گرمژہ وا کردہ بہ مستی کوش

بیا بہ سایۂ فرصت کہ می رسد بہ چمن
ہمائے رنگ ز برگ گل آشیاں بر دوش

نہ برگ دانم و نے رنگ این قدر دانم
کہ صف کشید و ہجوم غبار رفتن ہوش

ز ساز انجمن راز تا چہ می شنوند
کہ گل ز غنچہ سر انگشت خود کشیدہ بگوش

کدام رنگ و چہ گل جوش حیرتست اینجا
قبائے ناز دریدست خاک آئینہ پوش

حدیثِ پردۂ رنگ از کہ بایدم پرسید
زبان بوئے گل آواز می دہد کہ خموش

Scanned with CamScanner

تو گر خود را نہ بینی نیست عالم غیر دیدۂ وش
خودی آئینۂ دارد کہ محرومی ست اظہارش

بہ حق تسلیم شو تا وارہی از این و آں بیدل
بہ دریا قطرہ چوں گم گشت، دریا داند و کارش

ز سیر گلزار چشم بستن کسے نہ شد محرم تسلی
کجاست آئینہ تا نمایم چہ نسخ دارد بہار رنگش

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است ہر چند عقل کل شدۂ بے جنوں مباش

بہ شوخی بر نمی آید دماغ نازیکتائی
من از حیرت فزودم صفر بر اعداد نیرنگش

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی
اے بہار نیستی از قدر خود ہشیار باش

Scanned with CamScanner

تاعِ ہستیٔ دارم مپرس از بود و نابودش
بصد آتش قیامت می کنی گر واکنی دودش

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بہ پائے خویش

چہ نقشہا کہ نہ شد جلوہ گر ز پردۂ شوق
چہ رنگہا کہ ندارد طلسم غنچۂ ذوق
ہمیں نفس کہ غبار تعلق واہمی ست
ہزار پیچ و خم آوردہ شد بگردنِ طوق
سواد جوش تمنا چہ آسماں چہ زمیں
نوائے زیر و بم آرزو چہ تحت و چہ فوق

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز اینکہ نہ خوانیم
در دیگرے بنما کہ من بہ کجا روم چو برانیم
ہمہ عمر ہرزہ دویدہ ام بخجلم کنوں کہ خمیدہ ام
من اگر بہ حلقہ نیدہ ام تو برونِ در بنشانیم

Scanned with CamScanner

نمی دانم چه نیرنگ است افسونِ محبت را
که خود را هم تو می پندارم و با خود سخن دارم

روز وصلت باید از شرم آب گردیدن که ما
در فراقت زندگی کردیم و جانے داشتیم

مقیم وحدتم هرچند در کثرت وطن دارم
به دریا همچو گوهر خلوتے در انجمن دارم

می گویم و حیرانم می پویم و گریانم حرفے که نمی فهمم راهیکه نمی دانم

من آن شوقم که خود را در غبار خویش می جویم
رهے در جیب منزل کرده ام ایجاد و می پویم

تا نظر بر چمن وضع جهان وا کردیم ستمے بود که بر دیدهٔ بینا کردیم
نه همی بوئے بقا داشت نه گل رنگِ وفا غیرت آلوده به هر رنگ نظرها کردیم

Scanned with CamScanner

آنچه بیداری ما دام نظر می فهمید حیرتی بود که در خواب تماشا کردیم

تحیر مژدهٔ حسن بهاری داد کز شوقش
چو اشک از دیده تا دامانِ دل آئینه ها چیدم

ز دردِ دیدهٔ دل از من بیدل چه می پرسی
سراپا حیرتم حیرت نمی دانم چه فهمیدم

عرصهٔ آزادی از جوشِ غبارم تنگ بود بر سر خود دامنے افشاندم و صحرا شدم

موجِ دریا ذرهٔ کنارم از تنگ و پویم مپرس
آنچه من گم کرده ام نایافتن گم کرده ام

در رهت نارفته از خود هر طرف سر می زنم
همچو مژگاں بے خبر در آشیاں پر می زنم

چوں سحر خمیازه آغوشِ فنا وا می کند
ما ز فرصت غافلاں سرخوش که ساغر می زنم

Scanned with CamScanner

چوں شرر روشن سواد فطرتیم اما چہ سود
نقطۂ تا گل کند آتش بہ دفتر می زنم

کشاد چشمے نہ شد نصیبم بہ سیر نیرنگ ایں دبستاں
نگہ بہ حیرت گداخت اما نہ کرد روشن سواد مژگاں

خرد کمند ہوس شکارست ورنہ در چشم شوق مجنوں
بہ جز غبار خیال لیلیٰ کجاست آہو دریں بیاباں

خیال آشفتگی تحمل اگر شود حرف یک تامل
دلِ غبارے و صد چمن گل نگاہِ موئے و صد چراغاں

ہوائے لعلش کراست بیدل کہ با چنیں قرب ہمکناری
بہ بوسہ گاہِ بیاضِ گردن ز دور لب می گزد گریباں

ز رہِ ہوس بتو کے رسم نفسے ز خود نہ رسیدہ من
ہمہ حیرتم بہ کجا روم برہت سرے نہ کشیدہ من

چو نگاہ گرم بہ ہر طرف کہ گذشتہ محمل ناز تو
چو دل گداختہ از پیت بر کاب اشک دویدہ من

Scanned with CamScanner

تو و صد چمن طرب نمو من و شبنمے نہ کہ آبرو
بہ بہار عالم رنگ و بو ہمہ جلوہ تو ہمہ دیدہ من

چیست انساں حرف وصوتِ فارغ از نطق وبیاں
جلوۂ نیرنگیٔ در پردۂ حیرت عیاں
یک نفس پرواز آہنگش ز ہستی تا عدم
یک قدم جولان عزمش بے نشاں تا بانشاں

زلافِ حمد ونعت اولیٰ ست برخاکِ ادب خفتن
سجودے می تواں بردن درودے می تواں گفتن

جمال تانشود مائل نظارۂ خویش ز آئینہ نتواں عرض ناز فہمیدن

زندگی در گردنم افتاد بیدل چارہ نیست
شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن

Scanned with CamScanner

بہ طرۂ بہ ہوا فشاں چمنے بہ مشک تر آفریں
مژۂ بہ آئینہ باز کن گل عالمے دگر آفریں

بہ کلامِ بیدل اگر رسی مگذر ز جادۂ منصفی
کہ کسے نمی طلبد ز تو صلۂ دگر مگر آفریں

بے نشاں حسنے کہ درس جلوہ میخواند ز من
عالمے برہم زند تا رنگ گرداند ز من

تا بہ جوشد سرمہ از خاکستر من چوں سپند
خامشی را ہم محبت نالہ میداند ز من

آبیار مزرعۂ خاموشیم اما چہ سود
شوق می کارد نفس تا نالہ رویاند ز من

بیدلم بیدل ز شرم سخت جانیہا مپرس
دور از آں در خاک ہم آبست گریاند ز من

چنیں کشتۂ حیرت کیستم من کہ چوں آتش از سوختن زیستم من
نہ خاک آستانم نہ چرخ آشیانم پرے می فشانم کجا ایستم من

Scanned with CamScanner

بناز اے تخیل ببال اے توہم که هستی گمان دارم و نیستم من

من سنگ دل چه اثر برم ز حضور ذکر دوام او
چو نگین نه شد که فرو برم بخود از جلالت نام او
به هوا سرے نه کشیده ام به نشیمنے نه رسیده ام
ز پر شکسته تنیده ام به خیال حلقهٔ دام او
نه دماغ دیده کشودنی نه سر فسانه شنیدنی
همه را ربوده غنودنی بکنار رحمت عام او

در طلسم عجز فرصت حال و استقبال کو شش جهت یک گردش رنگست ماه و سال کو

بیدلم بیدل مرا جز هیچ بودن ساز کو از عدم می جوشم انجامم چه و آغاز کو
موقعے میخواهد اسباب غرور عاجزی در خیال آباد موهومے نیاز و ناز کو
قطره گردانم طراوت از کجا ساماں کنم در بگویم ذره ام چو ذره ام پرواز کو
در غبار سرمهٔ انسان ساز حیرتم چون نگاهم غیر خاموشی دگر آواز کو

Scanned with CamScanner

عمر گذشت و می کشم آرزوئے لقائے تو
اے قدمِ تو بر سرم اے سرِ من بہ پائے تو

ہر چند دورم از چمن جلوہ گاہ او
میخانہ است شوق بیاد نگاہِ او

کجائی اے جنوں ویرانہ ات کو خس و خاریم آتشخانہ ات کو

کہ کشیدہ دامن فطرتت کہ بہ سیر ما و من آمدی
تو بہار عالم دیگری زکجا بہ ایں چمن آمدی

سحرے حدیقۂ آگہی ستم است جیب جنوں درد
چہ ہوا بہ پردۂ آتشت کہ برون پیرہن آمدی

زعدم جدا نہ فتادۂ قدمے دگر نہ کشادۂ
مگر آنکہ پیش خیال خود بہ خیال آمدن آمدی

نہ سفر بہانہ طراز شد بہ قدم جنوں تگ و تاز شد
بہ خودت ہمیں مژہ باز شد کہ بہ غربت از وطن آمدی

Scanned with CamScanner

نہ بہت بہ زمزمہ چنگ زد نہ نفس در دلِ تنگ زد
عدم آبگینہ بہ سنگ زد کہ تو قابل سخن آمدی

ز مزاج سایہ و آفتاب اثر دوئی نہ شرح فتم
من اگر بہ جائے تو داشتم تو چساں بجائے من آمدی

بہ ہوس چو بیدل بے خبر در اعتبار جہاں مزن
چہ بلاست ذوق گہر شدن کہ چو موج خود شکن آمدی

بیدل اگر آگہ شوی از درد محبت
یک زخم بہ صد صبح تبسم نہ فروشی

بے خبر از خود مگذر جانب دل ہم نظرے
اے چمنستانِ جمال آئینہ دارد سحرے

نیست دریں ہفت چمن چوں قدت اے غنچہ دہن
گلبن نیرنگ گلے سرو قیامت ثمرے

Scanned with CamScanner

حیرت قفسم کو اثر عجز و رسائی
مجبور ادب را چہ وصال و چہ جدائی

چو محو عشق شدی رہنما چہ می جوئی
بہ بحر غوطہ زدی ناخدا چہ می جوئی
متاع خانۂ آئینہ حیرت ست اینجا
تو دیگر از دلِ بے مدعا چہ می جوئی
بہ سینہ تا نفسے ہست دل پریشان ست
رفوئے جیبِ سحر از ہوا چہ می جوئی
چو شمع خاک شدم در سراغ خویش اما
کسے نہ گفت کہ در زیر پا چہ می جوئی
سراغِ قافلۂ عمر سخت ناپیداست
ز رہگذار نفس نقش پا چہ می جوئی
بہ ذوق دل نفسے طوفِ خویش کن بیدل
تو کعبہ در بغلی جا بہ جا چہ می جوئی

Scanned with CamScanner

رباعیات

آنکس که منزه است ز آب و گِل ما بے او عدم است خلوت و محفل ما
نامش از پردہ بر زباں می آید واللہ کہ نیست جائے او جز دلِ ما

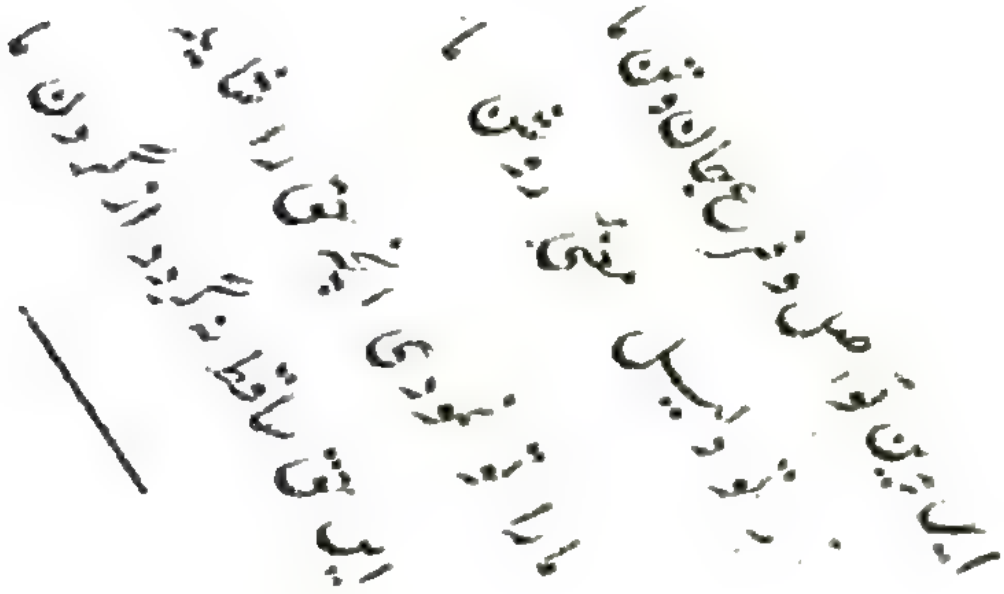

Scanned with CamScanner

اے دانه ازین مزرعهٔ اندیشه برآ — یعنی ز طلسم الفت ریشه برآ
افسردگی لفظ به معنی مپسند — در شیشه چو رنگ باده از شیشه برآ

اے آرزو تمنا و ذوق تماشا کجا
آن جوهر ایجاد و صفا تماشا کجا
زین عیب اعتماد و زین شکوه تماشا کجا
زین سست نقد و زین تعاقب هر دو سرا

Scanned with CamScanner

بیدل عبرت کمر کشودست اینجا
ماتم ز رخشک و تر کشودست اینجا
زاں پیش کہ کس نظر کشودست اینجا
چشم از مژہ موئے سر کشودست اینجا

Scanned with CamScanner

آں را کہ بہ بیکسی نظر دوختن است — خبر یاس ز اسباب چہ اندوختن است
بے روئے تو در چراغ کاشانۂ ما — افروختنی نیست ہمہ سوختن است

Scanned with CamScanner

عارف که دماغ آگهی افسر اوست
هستی و عدم سواد فرمانبر اوست
آن را که قضا منصب شاهی بخشید
در هر کشور که رو برو کشور اوست

[illegible]

فریاد که آں طلسم نیرنگ شکست — ساز طرب تحیر آہنگ شکست
فرصت چمنے در نظر آراستہ بود — مژگاں بر ہم زدیم آں رنگ شکست

گر کلیم نہ از اہل کرم می داشت — می داں بہ قیامت کہ کرمی می داشت
از سجدہ ہیچ سر نمی کرد ادا — گر شیطاں صحبت بہ آدم می داشت

زندگی دیدۂ خاکسار تیز است
بنگاه عمر سخت خفت خیز است
زیب دنیا مراغ غایت ممکن نیست
ہمہ در دیدۂ ہوس غبار انگیز است

بیدل شوقے بہ بسیار او ہام خوش است
خنقا بہ خیال دانہ و دام خوش است
قیمت کش ہستیم اما چہ علاج
عمریست عدم بدون این نام خوش است

از ہر رخ بہ عرصۂ نمود می آید
کہ زنجیر بساز گفتگو می آید
تا تیغ سخن بکار جانش پیکار ست
وز سمع نمی صدائے او می آید

Scanned with CamScanner

این فصل سر عقل نگوں می خواهد آئینهٔ هوش غرق خوں می خواهد
پیداست ز گل کردن اسرار چمن کایں محشر رنگ و بو جنوں می خواهد

Scanned with CamScanner

دیں صید من از یاس در نالہ کشود صیاد بہ نازِ جام لطفے پیمود
گرداند بگردِ سرو آزارم کرد بر دام ہماں حلقۂ دیگر افزود

Scanned with CamScanner

هر زمزمهٔ پیام سازے دارد هر گردِ سراغِ تگ و تازے دارد
عارف سببِ گریه چه گوید با خلق دریا در طبعِ خود گدازے دارد

امروز که وقت طوبیٰ مقصود است
خاطر همه جا به کامها خرسند است
ما را که سرانجام دعا در دل نیست
با کار به جز دعوتی باید بست

سامان تو آن قدر مهیا گردد
گر قطره رسد به موج دریا گردد
از تخم نهال و از نهال آرد نخل
آن نخل به خود بالد و طوبیٰ گردد

عیبم آمده تا در طلب بگشایند
در سایهٔ راه باده با پیما نیند
پایاب به دعای بیدلان تا دم صبح
دیوان امید بیکسان را نقشا زنند

ساغر نیرنگ چشم فتان تو بود
مست طرب نگاه نشه عنوان تو بود
دیوار و در میکده ما تا ہمہ جنس
دیدہ ہمہ جاں سایہ مژگان تو بود

دل محو جنابِ کبریا باید کرد — خوش باید بود عیش ہا باید کرد
بیدلؔ کارے دگر نہ آرد اینجا — جز آں کہ دعا ہائے شما باید کرد

نیکی و بد کار خانۂ کون و فساد
نالاں کہ کہ وائے زندگی رفتہ بہ باد
غافل کہ دریں قصر و دہم ایجاد
سنگ ہیچ نداشت سنتا بر باد چہ داد

Scanned with CamScanner

عالم نه بلندی و نه پستی دارد — دل این همه مخموری و مستی دارد
از زیر و حرم مقصد دل عشق خودست — این آئینه سخت خودپرستی دارد

فرصت داری ز حیرتی کار مبند — بر آئینه انتظار زنگار مبند
چون چشم بود یکی مژه وا کردن چشم — بازست در حضور زنهار مبند

Scanned with CamScanner

در کوئے دل آرام گذر باید کرد فعل بد خویش را بدر باید کرد
آئینہ شوق با صفا باید داشت در روے رخ یار را نظر باید کرد

[illegible]

[illegible]

بیدل ز غم و نشاطِ دوراں بگذر — از بیش و کم مشکل و آساں بگذر
در گلشنِ دہر چوں نسیم دمِ صبح — آزادہ درآئی و امن افشاں بگذر

[illegible]

Scanned with CamScanner

بیدل تا سیر رنگ و بو ها کردیم صد عقده ز نیرنگ جهان وا کردیم
اما تو چه عالمی که حشر تصویر در پردهٔ نقش تو تماشا کردیم

Scanned with CamScanner

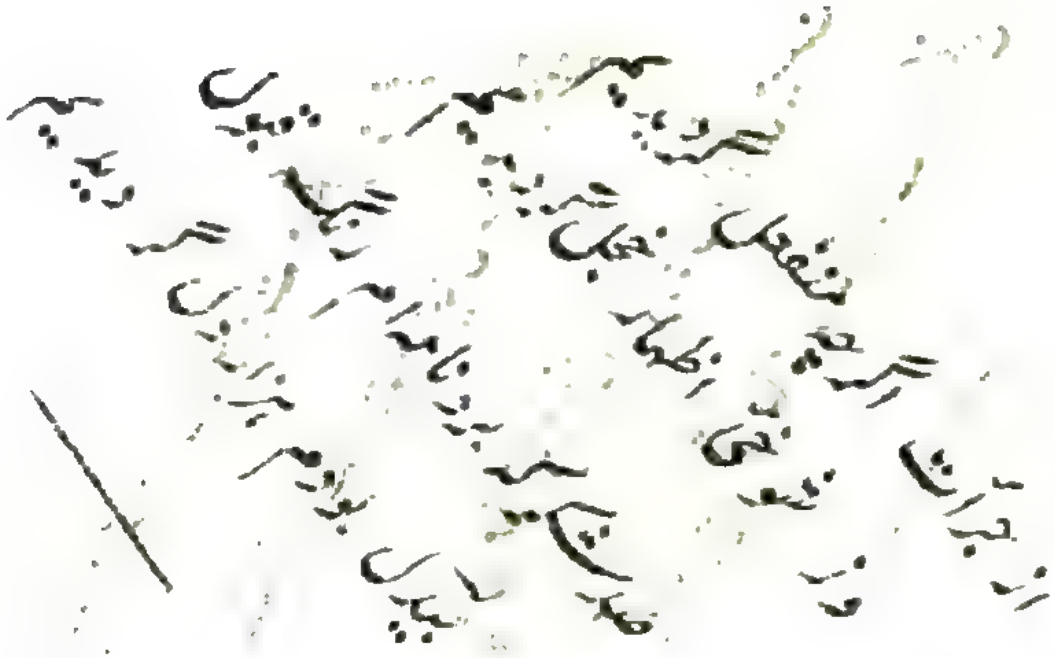

بیدل تا محو گلشنم نیرنگم — گاہے گل و گاہ غنچہ دل تنگم
گویند ز رنگہا برون باید بود — دشوار حقیقتے کہ ناہم رنگم

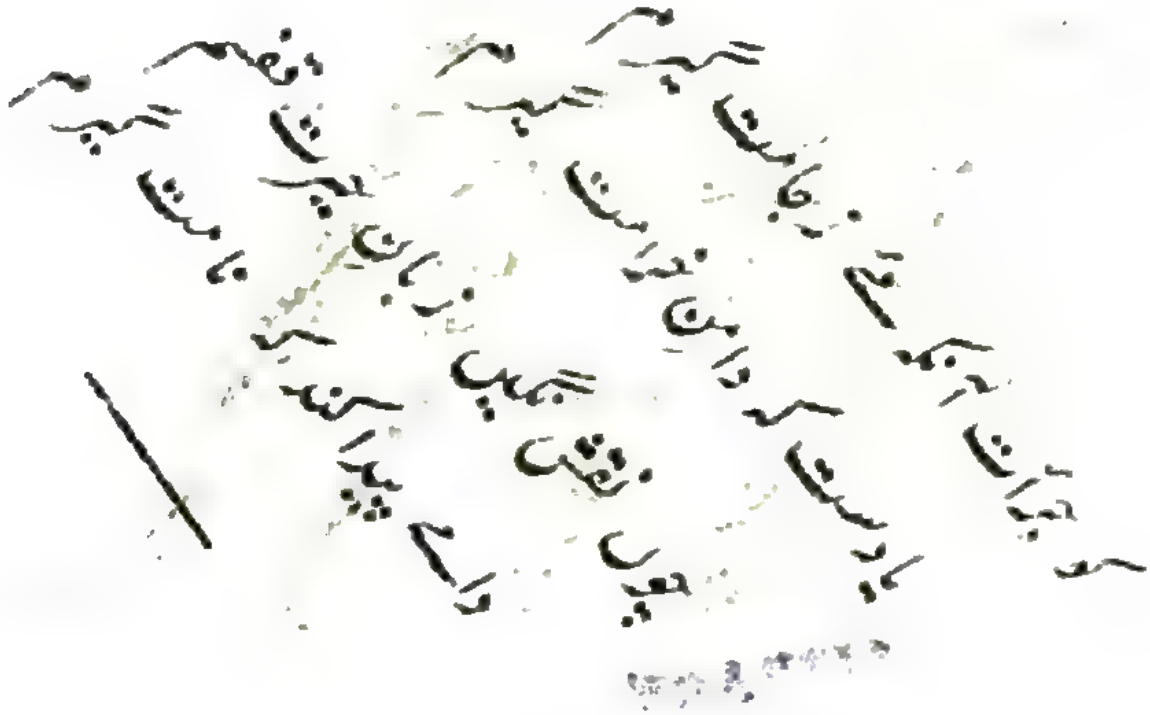

Scanned with CamScanner

دورم ز تو لیک بیگمان نزدیکم گر پیدایم وگر نهان نزدیکم
نقش قدم خود نگر و یادم کن هر جا باشم بایں نشان نزدیکم

Scanned with CamScanner

گر خاموشم به فکر فریاد توام ور گویا سبحه خوانِ اوراد توام
هرچند در آتشم نشاندست فلک شادم که چراغِ محفلِ یاد توام

Scanned with CamScanner

گر قابل کسب علمے می زادیم — در ورطۂ فکر خود نہ می افتادیم
دیدیم کہ دست ما بہ جائے نہ رسید — از سعیٔ جنوں داد گریباں دادیم

Scanned with CamScanner

گر یافتی اسرار قدم بیش مجو ور نہمیدی ز لفظ معنیش مگو
تا طبع تو تہمت فضولی نکشد گلہاست دریں بہار می بین و مبو

Scanned with CamScanner

اے بے خبر اگر ز خویش غافل باشی سرگشتهٔ تر از راه به منزل باشی
چون گوهر اگر به ضبط خود پردازی در دریا هم مقیم ساحل باشی

Scanned with CamScanner

فردیات

بہ محفل شمع تاباں در گلستاں رنگ و بو باشی
الٰہی ہر کجا باشی بہار آبرو باشی

روز نشاط شب کرد آخر فراق یارم
خود را اگر نہ سوزم شمعے دگر نہ دارم

دیگر مپرسید از شوق دیدار
اندیشہ آبست از شرم اظہار

من کہ جز با تو نہ پرداختہ ام
گر بہ خود ساختہ ام، ساختہ ام

Scanned with CamScanner

کارہا با غیرت عشق غیور افتادہ است
شش جہت دیدار و مارا از گریباں چارہ نیست

سیر ایں گلشن غنیمت داں کہ فرصت بیش نیست
در طلسم خندۂ گل بال و پر دارد بہار

شوق دیدارے کہ از دل بال حسرت می کشید
تا بہ مژگاں می رسد آغوش حیرت می کشد

حرص قانع نیست بیدل ورنہ اسباب جہاں
انچہ ما درکار داریم اکثرش درکار نیست

من نہ می گویم زیاں کن یا بہ فکرِ سود باش
اے ز فرصت بے خبر در ہرچہ باشی زود باش

Scanned with CamScanner

به هر طرف گذری سیر نرگستان کن
به قدر نقش قدم چشم دوستان باز ست

کس نه رفتے به عدم هستی اگر جامی داشت
خلقے از تنگیٔ این خانه به صحرا زده است

کاش هجران دادمن میداد گر وصلے نه بود
شمع تصویرم که از من سوختن هم ننگ داشت

نه دام دانم نه دانه این قدر دانم
که دل به هرچه کشد التفات صیاد است

مرده هم فکر قیامت دارد
آرمیدن چه قدر دشوار ست

Scanned with CamScanner

کم ظرفیم از غفلتِ خویش ست وگرنہ
دریاست مئے ریختہ از جام حبابم

در وصل ز محرومی دیدار مپرسید
آئینہ ز فہمید کہ من باکہ دوچارم

طپیدم، نالہ کردم، آب گشتم، خاک گردیدم
تکلف بیش ازیں نتواں بہ عرضِ مدعا کردن

قطعات

چہ سازم ناتوانم ریخت رنگ سجدہ در کویش
سر افتادہ دارم کہ پیشانی ست زانویش
بہار آلودۂ رنگ تمنا بیت دلے دارم
کہ گر سیر گلے در خاطر افتد میکنم بویش

Scanned with CamScanner

تا دو چار ناز کرد آں نرگس مستانہ ام
شوق جوشے زد کہ می پنداشتم میخانہ ام

یار شد بے پردہ دیگر تاب خودداری کراست
اے رفیقاں نو بہار آمد کنوں دیوانہ ام

کدام نقش کہ در کارگاہِ عالم نیست
چہ رنگ و بو کہ دریں مرغزار خرم نیست

جہاں طربکدہ ہا داشت ست لیک چہ سود
بہشت انجمن اتفاق آدم نیست

از کتابِ بیدلے یک نقطہ گر آید بدست
نسخہا آتش تواں زد تختہ ہا باید شکست

صد چمن باید بہ طوفانِ تغافل داد نت
تا بخونِ دل تواں اینقدر ہا رنگ بست

Scanned with CamScanner

خودشناسی

احوال دیگراں زچہ بر خود فسردۂ
بیدل ز خود بگو کہ تو ہم کم نبودۂ

گر ریشۂ ز تخم تو آید بروئے کار
بند نقاب خرمنِ امکاں کشودۂ

برگ گلت ہزار چمن عرض رنگ و بوست
آئینہ از خودی و جہانے نمودۂ

مژگانِ تست بست و کشادِ طلسم دہر
اے چشم آگہی بچہ غفلت غنودہ

عالم تمام عرضِ پیامِ خودست و بس
اے شوقِ نالۂ کہ چہ از خود ستودۂ

Scanned with CamScanner

یادِ یاراں

گو گذشتہ رفیقاں ز دل فراموشند
کدام نالہ کہ در پردہ اش نمی جوشند

چراغِ انجمن حیرت نظر بودند
کنوں بہ پردۂ دل داغہائے خاموش اند

نہ رفتہ اند دریں بزم تا سخن باقیست
ز دیدہ رفتہ حریفاں ہنوز در گوشند

شانِ فقر

اے بسا روشن دلے کز بے نیازیہائے شوق
چوں فروغِ مہر بر خاکِ سیاہ افتادہ است

اے بسا آئینۂ کز کسوتِ زنگاریش
یوسفستانے بخلوت گاہِ چاہ افتادہ است

Scanned with CamScanner

معنیٔ اقبال فکر از غافلاں پوشیدہ اند
ورنہ در ہر خاک چندیں دستگاہ افتادہ است

ہر کجا گرد شکستے سرمہ آرا ایلہ بہ چشم
بے تامل نگذری آنجا کلاہ افتادہ است

ذرہ تا خورشید عرفاں جلوہ است اما چہ سود
دیدہ ہائے خلق بر غفلت نگاہ افتادہ است

عالمے محمل بدوشِ وہم جولاں می کند
کیست تا فہمد کہ منزل ہم براہ افتادہ است

ماتمِ پدر

خورشید خرامید و فروغے بہ نظر ماند
دریا بکنار دگر افتاد و گہر ماند

آتشکدہ رفت و زگرہ ریخت شرارے
دل آب شدہ قطرۂ خونے بہ جگر ماند

Scanned with CamScanner

آں سایہ گذشت از اثر دست نوازش
ایں نقش قدم داغ شد و خاک بسر ماند

تہنیت ارسال گودڑی بہ شکر اللہ خاں

سزد کہ چشم ہوس از گل و سمن پوشیم
سرے کشیم دریں گودڑی چمن پوشیم

ہوس دمیکہ تمنائے ایں لباس کند
ہزار جاں بہم آریم تا بدن پوشیم

اگر بایں ہنرست آب و رنگ عریانی
چہ لازم ست کہ با عیب پیرہن پوشیم

در آں بساط کہ وارستگی ست خلعتِ ناز
ز تیغ سحر از بوئے یاسمن پوشیم

قماش مرحمت خاں اگر بایں رنگست
چو بوئے گل ہمہ نسریں و نسترن پوشیم

Scanned with CamScanner

در صفتِ خرد

آدمی زادہ وارثِ خرد ست — بے خرد غیر نسل حیواں نیست
ہر کجا عقل کردہ است ظہور — مظہرش جز وجودِ انساں نیست
شاہدِ عقل چیست شرم و ادب — کہ ز ہر گاؤ خر نمایاں نیست
جزو لاینفکِ خرد شرم است — لیک ایں وصف در بہائم نیست
کفر محل است بے حیائی و بس — ہر کرا شرم نیست ایماں نیست

محرومی

اے بسا علمے کہ از بے التفاتیہائے خلق
در مزاج معنی آگاہاں ہماں مستور ماند
بیدماغی ہائے مستاں چشم شوقے وا نہ کرد
موج مئے در جام محو ریشۂ انگور ماند
زگلستاں مایہ حیرت خفتہ پیدا نشی ست
عالمے افروختہ شمع و ہم چناں بے نور بلند

Scanned with CamScanner

چشم بندی چوں ہجوم لمعۂ دیدار نیست
باہمہ نزدیکی ایں برق از نظرہا دور ماند
گر کسے محرم نہ شد اندیشۂ غفلت کراست
حسن از بس بے نیازی داشت تا منظور ماند

تحیر زار

تا نفس بر خود طپد در بے خودی غلطیدہ است
تا نگہ بر خویش جنبد حیرتے بالیدہ است
سرّ ایں گلزار می خواہد گریباں چاک کن
صبح بر خود داریٔ ما غافلاں خندیدہ است
باید از خود رفت تمہید دگر درکار نیست
ہر طرف مژگاں کشائی رنگ مینا چیدہ است

Scanned with CamScanner

زبان بیدلے

آنچہ کلکم می نگارد محض حرف و صوت نیست
ہوش می باید کہ دریابد زبان بیدلے

گر ہمہ جبریل باشد مرغ فہم آگاہ نیست
تا چہ پرواز ست محو آشیانِ بیدلے

گوشِ دل در حیرتِ آئینہ حوا بانیدن ست
بے نفس دارد تکلم ترجمان بیدلے

ہر کہ از خود شد تہی از ہستی مطلق پر است
سجدہ می خواہد حضور آستان بیدلے

اعتبارات جہان از کاہشم افزودہ است
صفر اعداد ظہورم از نشانِ بیدلے

چشم می باید کشودن سرمہ کرن آگہیست
نالہ کم دارد درائے کاروان بیدلے

از حباب من سراغ گوہر نایاب گیر
یک نفس چیدست بحر اینجا و کان بیدلے

Scanned with CamScanner

حدیثِ خموشی

کدام قطرہ کہ صد رنگ در رکاب نہ دارد
کدام ذرہ کہ طوفانِ آفتاب نہ دارد

کدام غنچہ کہ جوشِ بہار نیست بہ جنبش
کدام نقطہ کہ جمعیت کتاب نہ دارد

بجائے خود ہمہ آئینہ حقیقتِ خویش اند
بہ موجِ غیر کسے نسبتِ حباب نہ دارد

چہ ممکن ست نگوید سراب با ہمہ خشکی
کہ پیشِ شوخیٔ موجم محیط آب نہ دارد

ولے تمیز بہ ہر جا کشودہ است نقابے
غبارِ دود نم ریزش سحاب نہ دارد

در آں مقام کہ موجِ گہر خرام فروشد
درنگ ہیچ کس اندیشۂ شتاب نہ دارد

بہ عالمے کہ تواں جوہر نگاہ شمردن
بہ صفر دیدۂ اعمیٰ کسے حساب نہ دارد

Scanned with CamScanner

سخن اگر ہمہ معنی ست نیست بے کم و بیشی
غبار نیست خموشی کہ انتخاب نہ دارد

حدیثِ جوہر آئینہ نیست غیر تحیر
سوال اگر ز خموشی بود جواب نہ دارد

کش مکش

بیدل از خجلت نوایانِ بساط جرأتم
با دو عالم ماومن پر می زنم در سرمہ زار

رشتۂ سازے بہ قانونِ تحیر بستہ ام
در خموشی ناگزیرم در فغاں بے اختیار

گر خمش گرم نفس برہم زند بنیاد ن
ور بہ حرف آیم دہد لبہائے خاموشم فشار

چوں قلم در وادیٔ حیرت رہے طے می کنم
سرنگونی بار گردن سجدہ پیشانی سوار

Scanned with CamScanner

خامہ را سعیٔ نگوں شرمندۂ تحریر کرد
سجدہ اینجا می کشد خطے بپا لغزش آشکار

آسماں بالیدم و آفاق گل کردم بہ دہم
گاہ نورم بود جولانگاہ شوخی گاہ نار

عالمے گل کردم اما در نظرگاہ یقیں
داغ مو ہوئے ز ذوقت از غبت بے رنگ عار

گر علم گویم علم مستغنی است از ما و من
ور ز ہستی دم زنم کو سازد برگ اعتبار

ہیچ کس بہ چوں من اسیر وہم ایں و آں مباد
تا نفس پر می زند با خجلت افتادست کار

بے پر و بال جنوں پرواز لنقا ہمتے ست
اے کریم ایں ہیچ ہیچ را معذور دار

Scanned with CamScanner

از ماست که بر ماست

ز چشم طالبان دانش آهنگ
مبادا محتجب اسرار نیرنگ

که در آفاق هر جا کوهسار یست
غبار انگیزیٔ ابر بهار یست

به هر جا نقش ابرے با شکوه است
همین تمثال شوخیهائے کوه است

درین وحشت سر پژمردگی نیست
همه آزادی است افسردگی نیست

زمین گیری که دارد سرگرانی
تلافی جوست از فیض روانی

اگر کوه از فسردن شد زمین گیر
نه شد نومید از امداد تقدیر

برنگے کرد با او ماندگی صبر
که آخر ریخت رنگ وحشت ابر

فسردن زین صفت مطلق عنان شد
جنون کرد و باین صورت روان شد

بخارے کز دماغ شوق انگیخت
چو اشک اول بروئے خویشتن ریخت

معین شد به طبع معنی اندیش
که سیر خلق بیرون نیست از خویش

همین یک نامه در کهسار پیدا است
که بر ما آنچه می آمد هم از ماست

Scanned with CamScanner

قدر و قیمتِ شکست

شنیدم کہ شیخ زماں بایزید — شبے داشت با عشق گفت و شنید
بہ بحرِ حضورِ حقائق شہود — خیالش نقابِ تمنا کشود
کہ یا رب چہ آرم مِن بوالفضول — کہ یابد دریں بزم رنگِ قبول
ندا آمد از حضرتِ ذوالجلال — کہ فرش است اینجا دو عالم کمال
ز جنسِ عبادات علم و عمل — مبرّا است ایں کشورِ بے خلل
متاعے بہ جز نقص درکار نیست — کمالِ ترا کس خریدار نیست
ز جنسِ شکست آنچہ پیدا شود — بریں آستاں قیمتش وا شود
شکستِ تو اینجا درستی نماست — کہ بحرِ کرم سر بسر مومیاست
محیطیکہ رنگ گہر نقش بست — نہ خواہد ز امواج غیر از شکست
سلامت نمی زیبد از سازِ موج — شکست است انجام و آغازِ موج

بران گل کند گریہ ابرِ بہار
کہ رنگ شکستن نہ کرد اختیار

Scanned with CamScanner

تامل و تفکر

خاک بودیم از بہار جلوۂ ساغر زدیم
دیگراں گلچیں شدند و ما چنیں بر سر زدیم

غافلاں از گفتگو رفتند تا موج و حباب
ما چو غواص از تامل بر سر گوہر زدیم

چوں سحر بر آسماں بردیم گرد خامشی
یک دو چیں از نالۂ داماں نفس بر تر زدیم

ہم چو شمع آخر سراغ ما بہ بیرنگی رسید
ہم دریں محفل قدم بر عالم دیگر زدیم

مقام اولیا

از ید اللہ گر نشاں جوید کسے — جلوہ گاہش آستین اولیاست
آفتاب مطلعِ انوار ذات — روشن از ماہ جبین اولیاست

Scanned with CamScanner

مزرعِ سرسبزیٔ کون و مکاں — تا قیامت خوشہ چینِ اولیاست
آنچہ می گویند از عرشِ بریں — معنیٔ فرشِ زمینِ اولیاست
غیب در ہر جا شہادت می کند — وسعتِ آبادِ یقینِ اولیاست
گر بہ تفسیرِ کلام اللہ رسی — لفظ و معنی آفرینِ اولیاست
ہوش اگر بر اسمِ اعظم پے برد — یک قلم نقشِ نگینِ اولیاست

چہ می پرسی

جواب از بحرِ گوہر خیز نتواند نشاں دادن
فراغِ عالمِ دل از منِ بیدل چہ می پرسی ؟
رگِ ابر از فشارِ ریشۂ پژمردہ نکشاید
اثرہائے غنا از ضیقتِ سائل چہ می پرسی ؟
سپندم یک طپش عرضِ نوائے سوختن دارد
ز برقِ فرصتِ خود داغم از محفل چہ می پرسی !
خط و ہم نقشِ ناخواندہ با معنی چہ پردازم
ہنوزم جادہ ناپیداست از منزل چہ می پرسی ؟

Scanned with CamScanner

طرف محوست در تحقیق اسرار حق است غافل
به حق ہم گر خطاب تست از باطل چہ می پرسی ؟
نقاب و جلوہ ہر یک محو نیرنگ خود است اینجا
ز لیلیٰ پرس حال لیلیٰ از محمل چہ می پرسی ؟

جذبۂ نمو

در قید جسم دل را نشو و نما محال ست
گنج ست دانۂ ما از خاک اگر بر آید
صد گل بہار دارد ایں غنچہ در شکستے
صبحے ست زیں گریباں یک چاک اگر بر آید
پیچ و خم نفسہا دائم رہ است بگسل
مئے نشۂ است اما از تاک اگر بر آید

مردانِ کامل

دلاوراں کہ مہیائے ساز جنگ خود اند
بہر نفس ز دلے چوں حباب سنگ خود اند

Scanned with CamScanner

چوں صبح جوہر فتح از جبین شاں پیداست
زبسکہ آئینہ دار شکست رنگ خود اند
شکستہ اند طلسم غبار ہستیٔ خویش
کلاہ فخر جہانند لیک ننگ خود اند

مدعائے نیرنگی

رنگہا آئینۂ تربیتِ بے رنگی ست
گر نظر محرم کیفیتِ اسباب شود
نہ ہمیں تاک دریں خمکدہ مستی دارد
ہر دلے را کہ گداز ندمئے ناب شود
سایہ را جبہ بشویند ز سرچشمۂ نور
تا ہماں پرتو خورشید جہاں تاب شود
ابر چشمے نہ فشارد ز غم دوریٔ ہجر
خاک نم وزد و عرض گل سیراب شود

Scanned with CamScanner

بحر جوشے زند و موج بہ طوفاں آید
موج پیچید بہ خود و مایۂ گرداب شود

انتظارِ ہوس گل کند از پردۂ شوق
نا امید آئینۂ دیدۂ بے خواب شود

مدعا زیں ہمہ نیرنگ جز ایں نتواں یافت
کو دلے خوں بہ چکد تا بہ جگر آب شود

حیرت و بے خودی

دلدار رفت و بے خودیم در کنار ماند
تمثال جست و آئینۂ حیرت شکار ماند

زاں دامنے کہ بر من بے دست و پا فشاند
در عرصۂ خیال رمے از غبار ماند

مژگاں نبرد صرفۂ آغوشی از وصال
آخر نقیب دیدۂ ہماں انتظار ماند

Scanned with CamScanner

چوں صبح تا نفس زدہ ام سینہ می درم
فرصت چہ جام داشت کزو ایں خمار ماند

اکنوں سراغ جلوۂ او حیرتِ من است
زاں شعلۂ رمیدہ ہمیں داغدار ماند

دیارِ متھرا

در زمینے کہ محبت اثرے کاشتہ است
گرد او خرمن چندیں طپش انباشتہ است

بر بہارے کہ ازیں کوچہ وزیدہ است نسیم
جگر چاک ز صبحش علم افراشتہ است

ہمہ تن شوق شود وادیٔ مجنوں دریاب
مشہد سوختگاں بوئے دلے داشتہ است

Scanned with CamScanner

انجام کار

چشم بر وضع جہاں وا کردۂ ہشیار باش
کایں ہمہ ہنگامۂ عشرت بہ غم خواہد کشید

حسن رنگیں خواہد افگندن ز بیرنگی نقاب
قامتِ رعنا بہ پستی با علم خواہد کشید

می رسد آخر صفِ برگشتۂ مژگاں بہ خاک
واں دراز یہائے گیسو تا قدم خواہد کشید

ابروئے پرخم کہ ناخن بر جگرہا می زند
عاقبت ہا ناخنِ پا سر بہم خواہد کشید

بر نقوش اعتباراتے کہ دارد ما و من
مرگ از یک جنبش مژگاں قلم خواہد کشید

چشم وا کردی زمانے گوش می باید شدن
شوخیٔ ایں جلوہ تا افسانہ ہم خواہد کشید

حیرت شبنم دریں گلزار دارد جشنگے
کایں ہمہ الفت نگاہی بر برم خواہد کشید

Scanned with CamScanner

عبرت آباد ست ایں جا عاقبت وارستگی ست
ہر کہ دل بر این و آں بندد الم خواہد کشید

سبک روحی

بیک دو روزہ سرو برگ زندگی مپسند
کہ بہر خلق پئے سودِ خود زیاں باشی
اگر غبار شوی محو دامنِ خود باش
چناں مباش کہ تشویش دیگراں باشی
نفس بدوز و سبکروح زندگانی کن
مباد بر دلِ آئینۂ گراں باشی

سراب نظر

ہمہ غیب است شہود اینجا نیست
جملہ اخفاست نمود اینجا نیست
اصل ہر سوسن و گل نیرنگیست
جز ہمیں سرخ و کبود اینجا نیست

Scanned with CamScanner

شعلہ خاکستر محض ست آخر
جز دمے گرمی و دود اینجا نیست

نتواں جلوۂ مطلق دیدن
آنکہ این پردہ کشود اینجا نیست

اعتبارات ہمہ اوہام اند
تو عدم باش وجود اینجا نیست

بے بصری

افسوس کہ ما دامن پندار گرفتیم
خورشید عیاں بود شب تار گرفتیم

از غفلت دل معنیٔ بے پردہ نہاں ماند
صد جلوہ در آئینۂ زنگار گرفتیم

در گلشن تقلید نشستیم بہ تقلید
اینہا ہمہ رنگست کہ دیوار گرفتیم

جاں بود کہ ما جسم نمودیم تصور
گل بود کہ ما کج نظراں خار گرفتیم

عالم ہمہ یک نسخۂ آثار شہود ست
غفلت چہ فسوں خواند کہ اسرار گرفتیم

آوارۂ اوہام نمودیم یقیں را
یعنی ز تامل رہِ گفتار گرفتیم

سودائی وہم ست تخیل چہ تواں کرد
از تنگیٔ دل خانہ بہ بازار گرفتیم

Scanned with CamScanner

خود ناشناسی

چرا اے دل بہ داغ بے نیازی آشنا گشتی
کدامی پردہ چشمت بست کز تحقیق وا گشتی

نگہ گر دید آغوش و داغ حق شناسیہا
سراپا وصل بودی چشم وا کردی جدا گشتی

کدامی غول در صحرائے گمراہی دلیلت شد
کز انسانی گذشتی طالب مردم گیا گشتی

بہت از تاج "کرمنا" گرانی داشت لے غافل
کہ فرش انتظار سایۂ بال ہما گشتی

عنا بے مطلقے را داغ صد حرص و حسد کردی
بخود نے تامل کن چہ بودی و چہا گشتی

حباب پوچ مغزے نقش بستی آخر اے گوہر
ولے در جیب تمکیں داشتی بیدل چرا گشتی

بہ فہم نیستی آئینۂ اسرار ہستی شو
چہ قدر ذرہ دانستی بخورشید آشنا گشتی

Scanned with CamScanner

خواب و بیداری

چیست بیداری ز باغِ وہم و ظن گل چیدنی
خواب، یعنی از غبارِ خود نگہ نادیدنی

کبر و ناز آئینۂ نقشے کہ نتواں بست پیچ
ما و من تعبیرِ خواب دیدن و نادیدنی

حد رہ از کم وسعتیہائے ظہور افگندہ ایم
بر رخِ عالم نقاب از یک مژہ پوشیدنی

ساز ہستی و عدم بست و کشادِ چشم ماست
خواب و بیداری نہ دارد بیش ازیں فہمیدنی

فہمِ راز

بہ فہمِ راز گوش ہوش می باید نہ گوشِ خس
کہ ایں حرفِ نکو بارِ شنیدن بر نمی دارد

بہ گلزارِ خیالم جلوہ ہا آمادہ است اما
گل آنجا رنگ و صبح آنجا دمیدن بر نمی دارد

Scanned with CamScanner

بروئے ہر دو عالم بستۂ مژگاں و معذورم
بہارے در نظر دارم کہ دیدن بر نمی دارد

جوہر ذاتی

ہمچو شبنم از تامل دیدۂ گردا کنی
برگ برگِ ایں چمن جز لوح استعداد نیست

جوہر ذاتیست موزونی نہ کسبِ عارضی
گل بہ سعیٔ پرفشانیہا چو سرو آزاد نیست

باغباں گر خوں خورد ابر آبرو بر خاک ریز
نیست گل غیر از گل و شمشاد جز شمشاد نیست

ہم بہ قدر صافی است آئینہ تمثال آشنا
فہم ذاتی گر نہ باشد ہیچکس استاد نیست

موجہا یکسر بہ تیغ شوخیٔ خود بسمل اند
دل تپش فرماست اینجا حاجت ارشاد نیست

Scanned with CamScanner

طالبِ صله

اے بسا معنیٔ روشن کہ ز حرصِ شعرا
خاک بجولانگہِ اسپ و خر اہل جاہ است

وے بسا نسخہ کہ در مکتب تشویش طبع
روسیاہ ابد از مدح وزیر و شاہ است

صلہ مشتاق گدا طبع ز مضمونِ بلند
گر ہمہ پاے بہ افلاک نہد در چاہ است

مرجع معنیٔ ایں سست خیالاں دریاب
تا بدانی چہ قدر فطرتِ شاں کوتاہ است

مادحِ اہل صفا باش کہ در علمِ یقیں
وصفِ ایں طائفہ تفسیر کلام اللہ است

Scanned with CamScanner

بہ قصیدہ گویانِ سلاطین

اے کہ تعریف سلاطین کردۂ — مشق تعلیم شیاطین کردۂ
چیست تعلیم شیاطین؟ حُبِّ جاہ — اے شیاطین مرشدت رویت سیاہ
فخر طبعت مدح شاہے بیش نیست — کاں ہمہ تخت کلاہے بیش نیست
امتیازے تا بدانی شاہ کیست — ایں قفس پروردہ وہم جاہ کیست
برسرش افتادہ آں زریں رخام — آمدہ پایش بہ سنگے تخت نام
تخت سیم و افسر زریں دو سنگ — او چو آتش درمیانِ ایں دو سنگ
فی الحقیقت آتش است آں شاہ نیست — لیک ہر آتش پرست آگاہ نیست
قربِ ایں آتش بلائے جان تست — برق دین و خرمنِ ایمانِ تست
گر بہ بزم شاہ قرب اندیشۂ — بیگماں زردشت کافر پیشۂ

رفتہ گیر آئینۂ دینت ز دست
نیست ہرگز حق پرست آتش پرست

Scanned with CamScanner

ذوق و شوق

یاد ایامے کہ جاں مشتاق و دل مدہوش بود
ہر مژہ وا کردنی تمہید صد آغوش بود
تا چہ پردازد تغافل مو بمویم داشت چشم
تا چہ فرماید تبسم عضو عضوم گوش بود

اثرِ صحبت

ریشہ با آب چو سازد گل احمر گردد
خاک چوں طالب خورشید شود زر گردد
صحبتِ صاف دلاں جوہر اکسیر غنا ست
بے صدف قطرہ محال است کہ گوہر گردد

Scanned with CamScanner

نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن

الٰہی تہمت آباد ظہوریم — ز ہستی تا عدم یکدست دوریم
کمند نارسائی صید آہم — چراغ خامشی برق نگاہم
سراپا اشک بیتابی عنانیم — قدم پیمانے واز خود روانیم
عنانِ ما کہ دارد جز چکیدن — دلیل ما کہ غیر از نارسیدن
دریں دریا شکستن میرود بیش — چہ خواہد موج از بیتابیٔ خویش
طلب سرمایۂ شوقیم، ہا کو — اقامت آرزو داریم، جا کو

نہ پائے رفتن و نے جائے ماندن
دریں رہ حیف رفتن، وائے ماندن

عرفان خویش

اے کہ از فہم حقائق دم زنی خاموش باش
عمرہا باید کہ دریابی زبانِ خویش را!

Scanned with CamScanner

روزگارے در قفائے وہم باید تاختن
تا دریں صحرا بدست آری عنانِ خویش را

در ہوائے بے نشانی تا نہ گردی بے نشاں
سخت دشوارست پے بردن نشانِ خویش را

مدتے برہم زدن دارد قماشِ خوب و زشت
تا شناسی جنسِ موہوم دکانِ خویش را

مذمتِ نفاق

دلِ نفاق پرست آفتِ بنائے وفاست
حذر کنید ازیں پنبۂ شرر آلود

اگر نگاہ تنزہ سراغِ جلوہ اوست
نمی تواں بہ تماشائے نو بہار آلود

چہ جائے غیر، نفس ہم ز دل بروں آرند
خیالِ دوست مبادا شود غبار آلود

Scanned with CamScanner

حیرتِ نظارہ

اے خوش آں حال کہ چوں بر تو نظر بکشایم
ہر نفس چوں نفس از خود روم و باز آیم

جلوہ ات ہر قدرم ساغر نیرنگ دہد
از تحیر چہ شناسم کہ چہ مے پیمایم

شوق ہر چند دو عالم کند از من بریز
جز در آغوش تو خالی نہ نماید جایم

بہ خیال تو چناں گم شوم از ہستیٔ خویش
کہ عدم ہم نتواند کہ کند پیدایم

کرشمۂ نگاہِ ناز

تا دو چار ناز کرد آں نرگس مستانہ ام
شوق جوشے زد کہ می پنداشتم میخانہ ام

یارِ شہ بے پردہ دیگر تاب خودداری کجاست؟
اے رفیقاں نوبہار آمد کنوں دیوانہ ام

Scanned with CamScanner

LIBRARY

مثنوی

طوفانِ بہار

تعالیٰ اللہ چہ طوفانِ بہار ست — کہ چوں گل شش جہت گل در کنار ست
اگر خاکست جولانگاہِ سودا ست — وگر آبست موّاجِ طپشہا ست
ز رنگ و بو جنونے خفتہ یکبار — بشورِ خندۂ گل گشتہ بیدار
گریباں چاکیٔ آئینۂ خاک — سحر جوشاندہ از تمثالِ افلاک
بہ ہر سو حیرتے وا کردہ آغوش — جہاں در جیب و جنوں می زند جوش
درو دشت از ہجومِ رنگ باغیست — چو گل یکسر جنونِ تر دماغیست
طراوت بسکہ شوخی کرد بنیاد — فلک کشتی بہ طوفانِ ہوا داد
ز گل جا بر چمن شد ایں قدر تنگ — کہ چوں بو بر ہوا بست آشیاں رنگ
بہ خود پیچیدنی دارد مشوش — نگہ از رنگ گل چوں موز آتش
خروشے کز دلِ بیزوں شتابد — ز گردِ رنگ و بو در سرمہ خوابد
جنونِ بیدلی بر خویش بالید — سویدا دستگاہ ابر گردید
تمی از دامنِ مجنوں فشردند — شفقہا شعلہ بر افلاک بردند

Scanned with CamScanner

کجائی اے ز ساز رنگ غافل — ز چشم بستہ منشیں دست بر دل
دو عالم نیست غیر از یک جنوں خند — شگفتنہا ست مژگاں بستنت چند
تبسم بسکہ می بارد بہ افلاک — سحر گردیدہ چینِ دامنِ خاک
ز عطرست آں ہمہ سرمایۂ گل — کہ بوئے مشک دارد سایۂ گل
بہ وصفِ ایں بہارِ رنگ و بو خیز — نفس چوں رشتۂ شمع ست گلریز
قلم تا حرف رنگیں می نگارد — رقم جوشِ پر طاؤس دارد
بہار اینجا نشد آئینہ پرداز — مگر در کسوتِ کیفیتِ ناز
تراشیدہ است حسنِ گلعذارے — ز ہر کیفیتے آئینہ دارے
ہمہ حسن است از حیرت خبر گیر — نگہ مجنوں کن و لیلیٰ بہ بر گیر
بہ ہر جا شبنمے دا کردہ مژگاں — بایں رنگست حیرانی پر افشاں
کہ مارا نیست جز شوقی فزودن — مگر آئینہ از زنگے زدودن
دریں حیرت سرا دارد مہیا — نگہ از جلوہ سامانِ تماشا
متاعِ حسن یکسر بابِ عشق ست — ہماں آئینۂ اسبابِ عشق ست
اگر طوقے ز قمری سر برآرد — ز شمع سرو دودِ حلقہ دارد
دگر پروانہ داغِ چیدہ باشد — چراغش پرتوِ بخشیدہ باشد
نواہائے پئے منقار بلبل — صدائے چیدہ از تارِ رگِ گل

Scanned with CamScanner

نفس در دیده دارد شوخیٔ رم — ز بوئے گل نگه در چشم شبنم
سحر را از هجوم شوق بیتاب — نفس در رنگ شبنم میشود آب
هوا هم تا به گلشن راه دارد — شفق در آستینِ آه دارد
ز بس شوق ست اینجا عیش تمهید — چو شمع از خارها گل می‌تواں چید
ز ساماں جوشیٔ عیش مرتب — چو گل خمیازه دارد جام بر لب
دریں گلشن به هر جا آرزوئیست — اسیر الفتِ ایں رنگ و بوئیست
همه گرد وحشت اینجا سر بر آرد — ز الفت رشتهٔ شیرازه دارد
پر افشانست شوخی رنگ و بو نیست — تمنا جز حصولِ آرزو نیست
نگه از خود تماشا آفرین است — مژه باید کشودن جلوه اینست
چمن زاداں همه حیرانِ خویش اند — حبابِ جلوهٔ طوفانِ خویش اند
به عشقِ قامتِ خود سرو آزاد — ندارد از بهار رنگ و بو یاد
ز بس رعنائی خود کرده مستش — ز خود در گردنِ یار ست دستش
نشاید از خیالِ خود برون جست — هجوم حیرت است آئینه در دست
تامل کن اگر فهمیدنے هست — که با هر برگ دست و دامنے هست
ز جیبِ غنچه بوئے دارد آواز — که اے غفلت نوایانِ جنوں ساز
به فکر غیر کے آهنگ داریم — به صد آغوش خود را تنگ داریم

Scanned with CamScanner

به عرض راز تا سوسن زند جوش — زباں در سرمہ می غلطد کہ خاموش
جہاں گوش سخن فہمے نہ دارد — مبادا گفتگو درد سر آرد
بہ خود پر می زند نکہت کہ بس کن — خرد دیوانہ شد ضبط نفس کن
بہ ضبطِ خود سحر واکردہ آغوش — ہوا ہم در پئے خود رفتہ از ہوش
دریں فصلِ نشاط مستی آہنگ — کہ می جوشد جنوں در کسوتِ رنگ
دلے داری تو ہم یک غنچہ خوں کن — بہ جیبِ خویش طوفانِ جنوں کن
برنگِ گل ز عریانی قبا گیر — ز جیبِ پارۂ داماں ہوا گیر
چہ لازم با خرد ہم خانہ بودن — دو روزے می تواں دیوانہ بودن
چو گل باید شد از جامِ ہوا مست — ولے چوں غنچہ باید دادن از دست
بہ فکرِ خانماں پرداختن چند — متاعِ وہم و ظن نا باختن چند
چو بوئے گل بہ پرواز جنوں آے — بخود تا وارسی از خود بروں آے
نشاط امروز در رہنِ جنوں ست — خرد از جرگہ عشرت برون ست
بہ پرہیز از کشاکش ہائے تدبیر — مبادا بگسلانی ربطِ زنجیر
بہ فرقِ ابر چتر از دودِ سوداست — ہوا از بوئے گل زنجیر در پاست
کنوں اندیشۂ فرزانگی چیست — گلے رنگیں تر از دیوانگی چیست
بہ ہر رنگ از بہارِ زندگانی — جنونِ دستہ کن گر می توانی

Scanned with CamScanner

بنئے ہر ساز بے آہنگ مشتاب — نوائے بلبل زنجیر دریاب
نہ از نالۂ زنجیر آگاہ — کہ بر آہنگِ سازِ خود کشی آہ
کجا آہنگ کو سازے جنوں ساز — بہ زنجیر پر افشا نست آواز
نہ زنجیریست اینجا نے جنونے — خیال از وہم می خواند فسونے
نفس زنجیر و ما آواز زنجیر — تحیر نغمہ ایم از سازِ زنجیر
رمِ زنجیر ما از نالہ پیش است — سپند از شعلۂ آواز پیش است
تو خواہے زندگی خواہے فنا گیر — صدائے موج زنجیر ہوا گیر
ز زنجیرے صدائے وام کردند — خیالے را تعلق نام کردند
تعلق جز فسونِ وہم و ظن نیست — جنونِ فرصت است ایں ما و من نیست
چہ فرصت فکر اوہامِ تعلق — چہ ما و من ہمیں دامِ تعلق
تعلق حشر طوفاں خروشیست — بہ زنجیر ایں قدر غافر وشیست

جہاں زیں ساز دارد مایۂ شور
الٰہی خانۂ زنجیر معمور

تمت